انتساب

اِسلام پر جب بھی اُدبار کے بادل منڈلاتے اللہ تعالیٰ نے کوئی ہادی ورہنما بھیج دیا۔ جس نے مذہبی اجارہ داروں اور ایمان فروشوں کی مُخالفت کے باوجود اپنی خدمات سرانجام دیں۔ ہندو پاکستان کی تاریخ میں شاہ ولی اللہ، سیّد احمد شہید، سرسیّد احمد خاں، حالی، شبلی، مُحسن الملک، ڈاکٹر اقبال جیسے خادمانِ قوم و مِلّت بھی مُلّاؤں کے کُفر والحاد کے فتووں سے محفوظ نہ رہ سکے چنانچہ حالی نے شکوہ کیا۔

اُمت کو چھانٹ ڈالا کافر بنا بنا کر

اِسلام ہے فقیہو ممنون بہت تُمہارا

پَس جب بے لوث اور سچے خادم ورہنما کے لئے نام نہاد مولویوں کی مُخالفت ناگزیر ہو اور اُن کا فتویٰ کُفر اعترافِ خدمت کا ضامن ہو تو جو کام خلوصِ نیّت سے کرنا ہے اُسے کر گزرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

یعنی جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم اُن کو اپنے راستے دکھاتے ہیں۔

عُزیز احمد صدیقی نے دُشمنانِ اسلام کے باطنی علُوم سے پردہ اُٹھا دیا۔ دُوسری طرف اِسلام پر باطنی بابلی تہذیب کے اثرات کی نشاندہی کر کے دینِ توحید کو سمجھنے کے راستے کھول دیئے ہیں۔ عُزیر صاحب یقیناً مبارکباد کے مُستحق ہیں۔ کہ اُنہوں نے حق اور ایمان کے اظہار میں کوئی پس وپیش نہ کیا۔ جان مال اور عزّت آبرُو کے خُوف نے بھی اُن کے قدم نہ ڈگمگائے۔ سچ ہے کہ ایسے ہی لوگ سچے مُصلح اور راہبر کہلانے کے مُستحق ہوتے ہیں۔ جو سچ بولنے میں کسی کا پاس ولحاظ نہیں کرتے۔ اور کسی کے غم وغصّہ کی پرواہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی خُود حفاظت کرتا ہے۔

قسم ہے اُس پیدا کرنے والے کی اگر اللہ تعالیٰ نے اِسلام میں وفات کا دن بنانے کی اجازت دی ہوتی تو وُہ دن ہم مُسلمانوں کیلئے بہت اہم ہے۔

(بقایا آخری صفحہ پہ مُلاحظہ فرمائیں)

جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ
اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

تحفۂ بابل وَ نینوا

اَلمعرُوف

ارمُغانِ عجم

مُولّفہ

عُزیز احمد صدیقی

ناشر:- مکتبہ جاء الحق

صرف ناصبی بھائیوں اور طبیت مسلمانوں کیلئے

نام کتاب ——— "تحفۂ بابل و نینوا"
سابقہ ٹائیٹل ——— ارمغانِ عجم یا تحفہ بابل،
مؤلف ——— عزیز احمد صدیقی،
ناشر ——— مکتبۂ جار الحق ناظم آباد۔
طابع ———
○ طبع اول ۱۹۶۹ء تعداد :۔ ایک ہزار رف ایک ہزار سفید کاغذ، لاہور
○ طبع ثانی ۱۹۷۴ء 〃 :۔ ایک ہزار سفید کاغذ آفسٹ، کراچی
قیمت ———
کتابت ——— ظہور احمد تابش، عبدالرحمن، ملتان

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۸	نمرود کی ماں یا بیوی	۹۲	۴۷	درود شریف	۱۶۸
۲۹	کرسمس کی حقیقت	۹۴		چھٹا باب	
۳۰	اسلام اور بابلی تہذیب	۹۹	۴۹	اسلامی اقدار سے بیزاری	۱۷۵
۳۱	نقاب حیدری	۱۰۱	۵۰	اللہ کے نام سے نفرت	۱۷۷
۳۲	شیر پرستی	۱۰۳	۵۱	مسلمانوں کے دو مولا	۱۸۰
۳۳	بارہ ستارے، بارہ امام	۱۱۴	۵۲	قرآن دشمنی	۱۸۴
	چوتھا باب		۵۳	قبلہ و کعبہ کی بے حرمتی	۱۹۵
۳۴	علوم بابل و نینوا	۱۱۷	۵۴	شبر و شبیر کا بھید	۲۰۰
۳۵	علم الاعداد و جفر	۱۱۸	۵۵	کراری حیدر	۲۰۲
۳۶	حروف تہجی کے اسرار	۱۲۰	۵۶	شہادت خلیفہ ثانی	۲۰۴
۳۷	علم ہندسہ کے رموز	۱۲۲	۵۵	عرب و عجم کے بادشاہ	۲۰۷
۳۸	علامتیں اور اشارے	۱۲۵	۵۸	شہادت خلیفہ ثالث	۲۱۰
۳۹	بسم اللہ کا اشارہ	۱۲۷		ساتواں باب	
۴۰	۱۲ منہ، کا اشارہ	۱۲۸	۵۹	ہمارا عروج و زوال	۲۱۴
	پانچواں باب		۶۰	بنو امیہ و بنو عباس کا زوال	۲۱۶
۴۱	رسوم بابل اور ہم	۱۳۵	۶۱	فتنۂ باطنی خلافت	۲۱۹
۴۲	عید نوروز شعبان و رجب	۱۳۶	۶۲	ایران میں باطنی فتنہ	۲۲۳
۴۳	عید غدیر آخری چہار شنبہ	۱۴۸	۶۳	مسلمانوں پر غضب الٰہی	۲۲۶
۴۴	عید عاشورہ و متعلقات	۱۵۳	۶۴	ہندوستانی اسلام	۲۲۹
۴۵	نماز یا صلواۃ	۱۶۱	۶۵	یورپی قوموں کا عروج و زوال	۲۴۰
۴۶	فاتحہ کے معنی	۱۶۷	۶۶	درس عبرت۔	۲۴۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ۝

"سچے ہو تو دلیل لاؤ"

اللہ ربُ العزت کا احسان ہے جس نے مجھ جیسے بے علم اور کم مایہ بندے کو قرآن عظیم پڑھنے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اور اُس علم کو اپنے بھائیوں تک پہنچانے کے وسائل ارزانی فرمائے۔ بے شک اُس کی شان نرالی ہے۔ وہ جس سے چاہتا ہے کام لیتا ہے۔ ورنہ پانچ چھ کتابیں لکھنا، چھپوانا اور تقسیم کرنا آسان کام نہ تھا۔ میری کتابوں کے ہزاروں نسخے ملک اور بیرون ملک پھیل چکے ہیں "سبائی سبز باغ" کا دوسرا ایڈیشن تجارتی معیار پر چھپ کر نکل چکا ہے اور اب ارمغانِ عجم اپنے نئے نام ــ "تحفۂ بابل و نینوا" کے ساتھ سامنے آرہی ہے، جبکہ میری بصارت جواب دے رہی ہے۔ مگر یہ اُسی مالک و مولائے کائنات کی نوازش ہے جس کا وعدہ ہے

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ "جو ہماری راہ میں جہاد کرتا ہے ہم اُسے نئے نئے راستے دکھلاتے ہیں۔"

پس معراج بندگی یہ ہے کہ اِنسان صرف اِسی خالق کائنات اور ربُّ العالمین کے حضور عجز و نیاز کا نذرانہ پیش کرے (جس کی عظمت و جلال کی جھلکیاں ہم جیسے حقیر بندوں کے رشحاتِ قلم سے بھی جلوہ ریز ہو جاتی ہیں) اور تمام دُنیاوی سہارو (دیوی، دیوتاؤں، خواجوں اور داتاؤں) سے بے نیاز ہو جائے۔ جو انسانیت کو در بدر کی ٹھوکریں کھلاتے اور فرقوں، جماعتوں، قوموں، نسلوں اور سلسلوں میں تقسیم کر کے جانوروں کے غول کی طرح صرف اپنے ریوڑ گلے اور باڑے بن گئے

بسر کر سکتے ہیں مسلمانوں کی طرح بھائی بھائی بن کر جینے کی تعلیم نہیں دیتے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم تھا واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا۔ یعنی توحید کی ایک لڑی میں بندھ (پرو) جاؤ اور الگ الگ فرقوں میں نہ بٹ جانا ورنہ تمہارا زور ٹوٹ جائے گا۔ مگر ہم بنگالی، پنجابی، مہاجر، پٹھان اور بلوچ ہی رہے۔ اور رسوائے زمانہ ہوئے۔ ہندوؤں کے تین سو فرقوں (ذاتوں) نے ہماری پانچ قومیتوں کے منہ پر تھوک دیا ہے۔ جس پر سارا زمانہ ہنس رہا ہے اور ہم کو رونا بھی نہیں آتا۔

ہمارے بعض بزرگوں کو شکوہ ہے کہ میرے تند و تلخ انداز بیان سے قوم کے ادیبوں دانشوروں اور محققوں کی نازک طبائع منغض ہو جاتی ہیں وہ میری کتابیں پڑھنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ جس سے تفہیم و تبلیغ کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا اچھی کتابوں سے انہوں نے کبھی کوئی فائدہ اٹھایا ہے۔ جو ناقص کتابوں سے کچھ حاصل کر سکیں گے۔ خود میرے خاندانی بزرگ میری کتابیں پڑھنا گوارا نہیں کرتے۔ ان کے مذہبی عقائد پختہ اور بے لچک ہیں۔ وہ مجھے سمجھاتے ہیں کہ بزرگوں کی شان میں گستاخی کرنا کفر ہے۔ حضرت علیؓ کو مولا علی مشکل کشا یا مولائے کائنات کہنے میں کوئی ہرج نہیں۔ ہم اپنے باپ دادا سے سنتے آئے ہیں، نذر و نیاز، فاتحہ، درود سے بزرگوں کی روحوں کے علاوہ خدا بھی خوش ہوتا ہے۔ یورپ اور انگلستان میں بھی ایصالِ ثواب کے لئے کھانا کھلایا جاتا ہے۔ جب ہم انگلینڈ میں تھے یا ہم نے فرانس میں دیکھا وغیرہ وغیرہ

چنانچہ ہماری بیگم کے ساتھ بغداد شریف کا روضہ تھا۔ ایک بار نیاز کا اہتمام فرمایا اور مجھ سے پوچھا آپ کو فاتحہ دینا آتا ہو تو پڑھ دیجئے۔ ورنہ میں کسی پڑوسی کو بلالوں۔ میں نے کہا میرے خاندان نے فتحپور ضلع بارہ بنکی اودھ میں اپنے جدِ اعلیٰ شاہ لالہ میاں قدس سرہ کی درگاہ پر تین سو سال تک فاتحہ پڑھنے اور پڑھانے کی کمائی ہے۔ مجھ سے زیادہ فاتحہ درود کا جاننے والا آپ کو کون ملے گا۔ مگر تھوڑی دیر بعد ایک ہنگامہ ہو گیا۔ میں نے نیاز کی مٹھائی سے پہلا حصہ اپنے کتے کے آگے ڈال دیا تھا۔ اس بے ادبی یا کفر پر ہمارے مذکورہ بزرگ بھی منغض ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ مقبروں، مزاروں

تعزیوں اور دُلدلوں کا احترام کرنے اور نذریں، منتیں ماننے کی نسلیں گزار دینے والے اللہ اکبر کی عظمت کو سمجھنے سے عاری ہو جاتے ہیں۔ ان سے تو وہی کہا جا سکتا ہے۔

...... لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ۔

ہمارے رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی اُن کے بزرگ اور قوم کے دانشور اسی طرح ناراض تھے۔ وہ بھی لاالٰہ کہہ کر ان کے آبائی بزرگوں اور خداؤں کی توہین کرتے تھے۔ اور اُن کی دل آزاری کا خیال کئے بغیر جب موقع ملا سب کو گرا کر پاش پاش کر ڈالا۔ میں بھی اُنہی کی سنت پر عمل کر کے مسلمانوں کے بت توڑنا چاہتا ہوں۔ قرآن حکیم نے مجھے سچ بولنے اور لکھنے کا حکم دیا ہے۔ سچ کڑوا ہوتا ہے تو اسے شکر میں لپیٹ کر پیش کرنا میرے لئے منافقت ہے۔ رہے اختلافات اور تفرقے تو قرآن حکیم نے ان کی افادیت سمجھا دی ہے۔

اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ٦٥ انعام

(ترجمہ) (جب تم گمراہ ہو جاؤ گے) ہم تم میں شیعہ (یعنی فرقے) پیدا کر دیں گے پھر تم آپس ہی میں لڑتے مرتے رہو گے۔''

ہم نے اس کتاب میں اسی وعدہ ربانی کی تفسیر یعنی مسلمانوں کے شیعہ بننے اور آپس میں لڑتے مرتے رہنے کی کہانی سنائی ہے۔ جو چاہے پڑھے اور عبرت حاصل کرے۔ جو نہ پڑھے خوش رہے۔

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول
(اقبال)

باطل کے پرستار ہر دور، ہر زمانے میں حق کو دباتے رہے ہیں۔ چنانچہ پاکستان میں دیکھئے سنیوں کی آبادی پچاسی فیصد ہے اور شیعہ سب فرقوں کے ملا کر بھی دس فیصد سے زیادہ نہیں۔ مگر وہ تمام کلیدی عہدوں اور ذرائع ابلاغ عامہ یعنی نشر و اشاعت کے اداروں پر قابض ہیں۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات و رسائل اور ان کے اشتہارات پر شیعوں کی اجارہ داری ہے۔ کیونکہ یہ چالاک مدمغ اور مالدار

ہیں جیسا کہ عموماً اقلیتوں میں ہوتا ہے (روس اور امریکہ میں یہودیوں کا یہی حال ہے) اور بیچارے سُنّی اپنی اکثریت کے زعم میں جہالت مُفلسی، بے حسی بے یقینی اور خاص کر رواداری کے فریب میں مبتلا ہیں۔ اِن کا کوئی اخبار یا رسالہ نکلتا ہے تو وہ اشتہاروں اور چندوں کے لالچ میں ضمیر فروشی پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جیسے جسارت، چٹان اور نوائے وقت بھی اُنہی کی گاتے ہیں۔ علّامہ محمود احمد عبّاسی کے خلاف مہم میں شیعوں سے زیادہ شور مچانے والے یہی تھے۔ مگر اللہ نے اُنہیں رسوا اور روسیاہ کر کے چھوڑا

دلوں میں ولولۂ انقلاب ہے پیدا
قریب آ گئی شاید جہاں پیر کی موت (اقبالؔ)

پھر پاکستان میں خواندگی کا اوسط دس فیصد ہے یعنی چھ کروڑ کی آبادی میں صرف ساٹھ لاکھ بچے اور بڑے جو دستخط کر لیں خواندہ شمار ہوئے ہیں اِن میں سے پچھتر فیصد علاقائی زبانوں اور انگریزی میں خواندہ ہیں اُردو نہیں جانتے۔ رہے پندرہ لاکھ اُردو داں تو ضروری نہیں کہ سب کتابیں پڑھتے یا پڑھ سکتے ہوں۔ اِس طرح ایک چھوٹی سی تعداد غالباً پندرہ یا بیس فیصد پڑھنے والوں کی رہ جاتی ہے جو پھر تین گروہوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔

(۱) ۲۵٪ خواندہ افراد جعفریہ اسماعیلیہ علیتی کتابیں پڑھتے ہیں۔

(۲) ۲۵٪ عیسائی، زرتشتی، یہودی اور ہندو کتابیں پڑھتے ہیں۔

(۳) ۵۰٪ دیوبندی، بریلوی، وہابی، قادیانی اور مودودی کتابیں پڑھتے ہیں

پھر لطف یہ کہ آپس میں کوئی کسی دُوسرے کی کتابیں نہیں پڑھتا۔ سب ڈرتے ہیں کہ اِن سے ایمان میں خلل آ جاتا ہے۔ اِسی وجہ سے اُردو زبان کی کوئی کتاب ایک ہزار سے زیادہ تعداد میں شائع نہیں ہوتی۔ اُردو کی اس زبوں حالی پر ہمیں بھی کوئی غم نہیں نہ یہ ہماری مادری زبان ہے نہ اِس نے ہمیں روٹی کھلائی۔ یہ تو بس میروں میرزاوں اور میراثیوں کی زبان ہے یا مجتہدوں اور مولویوں کی۔ اِس کے شہ پارے داستان امیر حمزہ۔ طلسم ہوش رُبا۔ داستانِ کربلا، یادوں کی برات، اور خدا کی بستی ہیں۔

جب ہی تو پچاس کروڑ ہندوستانیوں نے اُسے جلاوطن کر دیا۔ سات کروڑ بنگالیوں نے ٹُھکرا دیا اور اب مقامی زبانیں اِس سے بیزار ہیں۔ یہ سب من جانب اللہ ہے کیونکہ یہ دروغ بافوں اور ریاکاروں کی زبان ہے۔ جیسا کہ الطاف حسین حالیؔ نے اعتراف کر لیا تھا

وہ شعر و قصاید کا ناپاک دفتر!
عفونت میں سنڈاس سے جو ہے بدتر!

ہوا علم و دیں جس سے تاراج سارا :: وہ علموں میں علم ادب ہے ہمارا

ہم اپنی عوامی حکومت کے اِس فیصلے کا خیر مقدم کرتے ہیں کہ اسلام کی سربلندی اور اسلامی اتحاد کی خاطر عربی زبان سیکھی جائے اور وہی ہماری قومی زبان بنے۔

آخر میں اُن بے شمار قارئین اور قدر دانوں کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے جنہوں نے میری کتابیں پڑھ کر بے لاگ تبصرے اور تنقیدیں فرمائیں نیک مشورے دیئے اور ہمت افزائی فرمائی۔ اُنہی کی دعاؤں اور خواہشوں کا نتیجہ ہے کہ موجودہ اشاعت کی ہیئت کے ساتھ اِس کا نام بھی بدل گیا ہے۔ جو یقیناً عام فہم ہو گا

کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد
مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد

والسّلام
عزیز احمد صدیقی۔
۱۹۷۴ء

ارمغانِ عجم پر چند تبصرے

از، بزرگوار، محترم و عالی جناب انوار احمد شاہ صاحب، بی اے ساکن ۲ ۲۹/۱ لیاقت آباد کراچی

کتاب ارمغانِ عجم کے سرسری مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ صاحبِ کتاب نے کسی خاص جذبہ وجوش میں اُن مقدس ہستیوں کے خلاف قلم اٹھایا ہے جن کے بارے میں بزرگوں سے سُنتے چلے آئے ہیں کہ دین کی اشاعت اور اسلامی دُنیا کی ترقی میں اِن جلیل القدر ہستیوں نے زبردست حصہ لیا تھا۔ اور انہی کے طفیل ہندوستان میں اسلام کا بول بالا ہوا تھا۔

ایسے بزرگوں کی شان میں ایسے انکشافات مؤلف کتاب کی زبانی سُن کر دل و دماغ پر وہ اثر ہوا کہ میں مبہوت رہ گیا کہ بیسویں صدی میں یہ کون مجتہد زماں اور امام وقت پیدا ہوگیا جو صدیوں پرانے عقائد و ایقانات کو جو ہماری رگ رگ اور ریشے ریشے میں سرایت کئے ہوتے ہیں بیخ و بن سے نکال پھینکنا چاہتا ہے۔ ہفتوں کیا مہینوں میں اسی ادھیڑ بن میں غلطاں رہا حتیٰ کہ دماغ مختل ہوگیا۔

آخر کار ایک رات جب دُنیا محو خواب تھی اور میں تقریباً مذہب سے بیزار ہو چکا تھا۔ ڈرتے ڈرتے پھر وہی کتاب اُٹھائی اور پڑھنا شروع کیا۔ مقدمہ کتاب جسے مؤلف نے الفاتحہ لکھا تھا۔ بغور پڑھا۔ جب اِس جملے پر آیا کہ اگر خلیفہ سوم کا پردہ اٹھایا جاسکتا ہے تو خلیفہ چہارم کے چہرے سے نقاب حیدری بھی اُتارا جاسکتا ہے۔ تو جیسے کوئی مُجھ سے کہنے لگا کہ اے پست ہمت ضعیف الاعتقاد شخص اِس کتاب کو غور سے پڑھ اور پھر نتیجہ اخذ کر۔ یاد رکھ کہ اگر حق بات سے چشم پوشی برتے گا اور تغافل سے کام لے گا۔ تو آخرت کی باز پرس سے نہ بچ سکے گا۔

چونکہ یہ کتاب شیعہ اخبار "رضاکار" کے کسی دعوے کے جواب میں لکھی گئی تھی معاً خیال آیا کہ "سبائی سبز باغ" کا مؤلف جس نے اپنے دلائل سے شیعوں کے دانت کھٹے کر دیئے ہیں اور خود اُنہی کی کتابوں سے اِن کو قائل کیا ہے۔ بزرگانِ دین کے بارے میں بھی جھوٹ نہیں لکھ سکتا۔ پھر بنو اُمیہ اور بنو عباس کے دور کا پورا نقشہ سامنے آگیا۔ اور شوق پیدا ہوا کہ مؤلف کی ہر بات اور ہر جملے کو سمجھ کر پڑھا جائے چنانچہ اِس بار یہ کتاب تین دن میں ختم کی۔ تو آنکھیں کھل گئیں۔ حقیقت معلوم ہوگئی پیروں، ولیوں اور فقیروں کے کشف و کرامات کی باتیں جو بچپن سے سُنتے چلے آئے تھے افسانہ معلوم ہونے لگیں۔ اور موجودہ دور کے باباؤں، پیروں اور ملنگوں کے دجل سے اُن کا مُقابلہ کیا تو کوئی فرق معلوم نہ ہو سکا۔

اب میں مُصنّف کتاب کا تشکر گزار ہوں کہ ایک طرف تو اُنہوں نے دُشمنانِ اسلام کے باطنی علوم سے پردہ اُٹھا دیا۔ دُوسری طرف اسلام پر باطنی یا بابلی تہذیب کے اثرات کی نشاندہی کر کے دینِ توحید کو سمجھنے کے راستے کھول دیئے ہیں عزیز صاحب یقیناً مبارکباد کے مستحق ہیں۔ کہ اُنہوں نے حق اور ایمان کے اظہار میں کوئی پس و پیش نہ کیا۔ جان مال اور عزت آبرو کے خوف نے بھی اِن کے قدم نہ ڈگمگائے۔ سچ ہے کہ ایسے ہی لوگ سچے مُصلح اور راہبر کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں۔ جو سچ بولنے میں کسی کا پاس و لحاظ نہیں کرتے۔ اور کسی کے غم و غصّہ کی پرواہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی خود حفاظت کرتا ہے

از جناب مُحمّد رضا صاحب سرشار ۸۶۱/۷ سمن آباد لاہور

مجھے اپنے ایک لاہوری دوست محمد اسلم صاحب نے آپ کی تالیف "ارمغانِ عجم" دیکھنے کو دی۔ کتاب ختم کی تو اس بات پر مجبور ہوگیا کہ اس کا ایک نسخہ خرید لوں اور بار بار اُسے پڑھتا رہوں۔ آپنے اِس کتاب میں معلومات کا خزانہ بھر دیا ہے۔ اور توحید کے نظریات کو خوب اجاگر کیا ہے۔ جزاک اللہ۔ مگر ایک بات بصد ادب

عرض کروں گا کہ کتاب مذکورہ کے لب و لہجہ اور سخت و درشت الفاظ نے اِس کی افادیت گھٹا دی ہے۔ اِس کا لحاظ خود خالق طبع انسانی نے بھی ضروری سمجھا ہے اور فرمایا ہے لا تجادلوا اھل الکتاب الا بالتی ھی احسن، الخ

میں نے آپ کی تصنیف سے بہت استفادہ کیا ہے مگر مشکل یہ آپڑی ہے کہ اپنے کسی بھی شیعہ عزیز کو یہ کتاب دیکھنے کو نہیں دے سکتا کیونکہ بعض مقامات پر آپ اپنے جذبات کو قابو میں نہیں رکھ سکے ہیں جن شخصیتوں کو شیعہ حضرات اپنا مقدس رہنما کہتے ہیں اُن کے لیے الفاظ کا صحیح انتخاب نہیں ہو سکا ہے۔ جب دلائل مستحکم ہوں تو کیوں نہ الفاظ نرم رکھے جائیں تاکہ جن کی اصلاح مقصود ہے اُنہیں اس کا پڑھنا گوارہ ہو سکے۔ جب مطالعہ ہی خوشگواری کے ساتھ نہ کر سکیں یا بالکل ہی مطالعہ نہ کر سکیں تو نتائج بھی حسب دل خواہ اور مفید نہیں نکلیں گے۔

بہر حال میں اِس کا بہت شکر گزار اور دعا گو ہوں کہ مجھے ایک اچھی کتاب پڑھنے کو مل گئی۔ اور میں نے اس سے خاطر خواہ استفادہ بھی حاصل کیا ہے۔

قابلِ صد آفریں ہیں آپ جیسے لوگ کہ اسلام کے چہرے کو تہہ بتہہ پرانی گرد سے نکال کر دکھانا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو اِس کی جزائے خیر دے۔ مگر یہ مسئلہ سخت مشکل بن چکا ہے۔ صدیوں کے افسانے حقیقت کا روپ بدل کر عقائد کا جزو بن چکے ہیں۔ پیشہ ور لوگ اس گرد کی تقدیس ثابت کرنے میں اپنی خطابت کا پورا زور صرف کر رہے ہیں۔ اور پرسشِ آخرت سے ذرا بھی نہیں ڈرتے۔

آپ کا خیر اندیش :-

نوٹ :- یہ خط میری کاوشوں کا پورا پورا صلہ ہے۔ اگر اِس کتاب نے کسی ایک فرد کو صراطِ مستقیم دکھلانے میں مدد کی ہے تو وہی میری آخرت کا توشہ ہو جائے گا۔ مجھے اپنے اِن تمام شیعہ بھائیوں پر ناز ہے جنہوں نے تبصروں اور تنقیدوں سے نوازا ہے۔ افسوس کہ وہ سب خطوط شائع کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ (مؤلف۔)

از جناب سید شبیر حسین صاحب جعفری ایم اے نشان سپاس ساکن ۶۵/۴ پیپلز کالونی لائل پور مورخہ ۷ ر مارچ ۱۹۷۳ء

میرے ایک رفیق کار سید عباس علی صاحب نے آپ کی کتاب ارمغانِ عجم کل ہی مجھے پڑھنے کو دی۔ الحمدللہ کہ میں نے ایک ہی دن میں اسے پڑھ ڈالا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ آپ نے بڑی محنت سے کتاب تیار کی اور اس کے لئے وسیع مطالعہ کرنا پڑا ہو گا۔ کتابت اور چھپائی اچھی نہیں ہے۔ یہ کتاب اِس لحاظ سے اہم ہے کہ حوالہ جات ملتے ہیں۔

آپ نے کتاب لکھتے وقت ایک محقق یا مورخ کا انداز نہیں اختیار کیا۔ بلکہ! ایسی صورت نظر آرہی ہے کہ کسی ایک کو یا بہت سے لوگوں کو اپنا ذاتی دشمن جانا اور اسکے یا اِن کے خلاف لکھا ہے۔ اندازِ بیان، طنز اور اشارے ایسے ہیں جن سے کوئی بھی پڑھا لکھا آدمی آپ کے متعلق رائے قائم کر سکتا ہے۔ آپ کے اندازِ بیان سے عیاں ہو رہا ہے کہ مسلمان الگ لوگ ہیں اور شیعہ کوئی الگ مخلوق ہیں۔ اور یہ کہ جس قدر خامیاں اور تباہی نازل ہو رہی ہے یا ہو چکی ہے اِس میں شیعہ حضرات کا قصور یا سازش ہے۔

نیز مولانا ابو الاعلیٰ مودودی صاحب سے آپ کو شدید اختلاف ہے۔ بہتر یہ تھا کہ آپ اِس کتاب میں ایسا اندازِ تحریر اختیار کرتے جو دوسروں کو متاثر کرتا۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ جاہل مُلّا یا متعصب لوگ آپ کی تحریر پسند کریں۔ لیکن صاحبِ علم لوگوں کے لئے یہ انداز قابلِ تحسین نہیں ہے۔

آخر میں یہ عرض کروں گا کہ آپ ایسے ذہین لوگوں کو متعصب نہیں ہونا چاہیئے۔ محقق کی حد تک رہنا چاہیئے۔ تاکہ سب لوگ برابر استفادہ کر سکیں۔ خدا کرے آپ کا مزاج بخیر ہو۔

الفاتحہ

صدر پاکستان محمد ایوب خان روس کے سرکاری دورے پر گئے تو وہاں اُن کو قدیم ترین بلکہ قرآن حکیم کا نسخۂ اول دکھایا گیا۔ جو کبھی خلیفۂ مظلوم سیدنا عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی تلاوتِ خاص میں رہا تھا بلکہ اس پر اس معصوم دامادِ رسول کا پاک خون بھی محفوظ تھا۔ جس نے اپنی جان کی حفاظت کے لئے کسی کلمہ گو پر خواہ وہ مفتری ہی کیوں نہ ہو تلوار اُٹھانے سے انکار کر دیا تھا۔

ہمارے صدرِ محترم اپنی قوم کے لئے اِس اسلامی دُنیا کے عجوبۂ روزگار نسخے کا ایک عکس لے آئے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے چودہ سو سال تک دُشمنوں بے دینوں اور بدخواہوں کی نظر سے اوجھل رکھ کر ہمارے زمانے کے مُسلمانوں کو غیرت وحمیت دلانے اور اصل حال سے واقف فرمانے کے لئے اپنا وعدہ پُورا فرما دیا۔ نَحْنُ لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ تاکہ یہ عظیم معجزہ اپنے جمع کرنے والے کی عظمت کو یاد دلائے۔

اِس سے ہمارے اُن بھائیوں کے حلقوں میں مایوسی پھیل گئی۔ جن کا اصلی قرآن ابھی امام غائب کی بغل میں ہے۔ وہ قرونِ اولیٰ کی طرح جھلانے اور تلملانے لگے۔ کوئی فیضی کا بے نقط قرآن نکال لایا۔ کوئی امام حسن رضی اللہ عنہ کا لکھا ہوا کوئی آرٹ پیش کرنے لگا۔ اور کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وہ قرآن دکھانے لگا۔ جسے اُنہوں نے قسم کھا کر کہا تھا۔ کہ قیامت تک کوئی نہ دیکھے گا۔

یہاں تک تو غنیمت تھا۔ مگر نہ جانے کیوں ہمارے مودُودی صاحب کو غصہ آگیا۔ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اُن کے خاندان کی دھجیاں اُڑانی شروع کر دیں۔ ملوکیت اور بادشاہت کی خرابیاں بیان کرنے لگے تو بھول گئے کہ گذشتہ اٹھارہ سال سے وہ جس چیز کی تلاش میں ہیں وہ بھی دعوائے فدک سے کم نہیں ہے مگر

اوہمیۂ دوزخ نہ کند باغ ارم را

دُوسرے مُسلمانوں پر مودُودی صاحب کی اس حرکت کا اثر کیا ہوا ہمیں نہیں معلوم، البتہ ہم نے دیکھا کہ سادات مُومنین کے حلقوں میں بغلیں بجائی جانے لگیں۔ لاہور کے شیعہ ہفت روزہ اخبار "رضا کار" نے خوش ہو کر اداریہ لکھا جس کا عنوان تھا "پردہ اُٹھ رہا ہے"۔ پھر کسی اسلام دُوست بندۂ خدا نے مودُودی صاحب پر اعتراض کر دیا۔ تو معاصر رضا کار لاہور اُس پر برس پڑے آپ نے ۲۴ اگست ۶۵ء کے شمارے میں لکھا۔

شیعی اثرات یعنی چہ؟

"ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ہم نے مذکورہ مقالے میں پڑھا کہ جن روایات کا حوالہ مودُودی صاحب نے اپنے مقالات میں دیا ہے۔ وہ روایات تو لازماً ہیں مگر یہ روایات ہماری کُتب میں شیعی اثرات سے آگئی ہیں۔ ہم فاضل مقالہ نگار سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ جس زمانے میں اُن کی یہ کتابیں لکھی گئی تھیں اُس وقت شیعی اثرات کہاں تھے۔ کس انداز سے تھے اور کس طرح شیعوں کو یہ موقعہ ملا کہ اُنہوں نے سوادِ اعظم کی کُتب معتبرہ میں اس قسم کی تحریف کر دی جو تمام دُنیائے اسلام میں رائج ہیں۔ اور سوادِ اعظم کے پُورے دین و مذہب کا انحصار اُنہی پر ہے۔ مگر آج تک سُنی عُلماء کرام اپنی اُن کُتب کو شیعی اثرات سے پاک نہ کر سکے۔ ہم مدیر موصوف کی خدمت میں ادب کے ساتھ عرض کرتے ہیں۔ کہ وہ اپنی تحقیق سے ثابت فرمائیں کہ اِن کی کتابوں میں ایسی روایات شیعی اثرات کے تحت کس طرح داخل ہو گئیں۔ تاہم ہم یہ ضرور عرض کریں گے کہ اگر ہر کتاب کے متعلق یہ کہہ دیا جائے کہ اِس میں شیعی اثر سے تحریف ہو چکی ہے تو پُوری سُنی دُنیا میں سناٹا چھا جائے

گا۔ اور کوئی قابلِ اعتبار کتاب حضراتِ اہلِ سُنّت کے کتب خانوں میں باقی نہ رہے گی۔ (مدیر رضا کار)

ہمیں نہیں معلوم کہ مدیر ترجمان اسلام نے یہ چیلنج دیکھا یا نہیں اور جواب بھی دیا یا خاموشی بہتر سمجھی مگر ہم اپنی بے بضاعتی کے باوجود اس "یعنی چہ؟" کا جواب دینے کی کوشش کریں گے۔ اور وہ شیعہ اثرات جو مدیر رضا کار کو شیعہ ہوتے ہوئے بھی معلوم نہیں ہیں ضرور دکھائیں گے۔ ؎

مکر جانے کا قاتل نے نرالا ڈھنگ نکالا ہے
ہمیں سے پوچھتا ہے تم کو کس نے مار ڈالا ہے۔

اور رہے مودودی صاحب تو ہم ان کے شکر گزار ہیں اُنہوں نے ایک خلیفۂ ارشد کا پردہ اُٹھا کر دکھا دیا کہ خلفائے راشدین بھی ہم جیسے انسان تھے ان میں انسانی کمزوریاں موجود تھیں۔ اور جس طرح خلیفۂ سوم کا پردہ اُٹھایا جاسکتا ہے اسی طرح خلیفۂ چہارم کے چہرے سے نقابِ حیدری اُتارا جاسکتا ہے۔ تاکہ وہ کرم اللہ وجہہ سے پھر رضی اللہ عنہ بن سکیں۔

اِس پردہ دری میں ناظرین یاد رکھیں کہ پردہ اُٹھتا ہے تو ہیرو کے ساتھ ویلن اور مسخرے بھی بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ تو یہ بیسویں صدی ہے۔ آپ کی اپنی حرم سرا کے پردے اُٹھ چکے ہیں تو دُوسروں کی پردہ داری کب تک کیجیے گا۔

چلیے ہمارے ساتھ امام باڑے تک روشنیاں اور چراغاں دیکھیں مرثیے اور نوحے بھی سُنیں سُنا ہے کہ آخرِ شب وہاں بھی پردے اُٹھا دیئے جاتے ہیں واپسی میں درگاہوں سے ہوتے ہوئے آئیں گے تو سورج نکل چکا ہو گا۔ اور کائنات کا ذرہ ذرہ پکار رہا ہو گا۔ ؎

تری صبح کہہ رہی ہے تری شام کا فسانہ

کراچی نومبر ۱۹۶۷ء — عُزیر احمد صدیقی

تعارُف

از ڈاکٹر محمّد سلطان صاحب نظامی

مصنف قصاص سیدنا عثمان، اہلِ بیت رسُولؐ و سلمان فارسی وغیرہ

نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلّم نے تبلیغ دینِ حقہ سے عرب کے اُجڈ لوگوں کو فرشتہ سیرت بنا دیا۔ اور صحابۂ کرام نے اپنے ایمان وعمل سے ثابت کر دیا کہ وہ واقعی رضی اللہ عنہ کہلانے کے مستحق تھے۔

جب اِسلام سرزمینِ عرب سے نکل کر عجم کے شرق وغرب میں پھیلا تو، عجمی، مجُوسیوں، یہودیوں، عیسائیوں اور ہندو آریوں نے گہری سازش کے تحت اسلام کی سیدھی سادھی تعلیم کو بگاڑ کر اس میں، شخصیت پرستی، حیوان پرستی اور ہزاروں دیگر بدعات وخرافات کو شامل کر دیا (جس کی وجہ سے مُسلمان اپنی بدعتوں اور قومیتوں کی مناسبت سے مختلف ذاتوں اور فرقوں میں تقسیم ہوتے چلے گئے)

دورِ راشدہ میں تبلیغ دین کا مرکز مسجد تھی عجمیوں نے اپنے مراسم کی ادائیگی کے لئے مسجد کو خیر باد کہہ کر اس کی جگہ خانقاہوں کو دے دی۔ خانقاہوں سے یہ، امام باڑوں میں پہنچی اور امام باڑوں سے یہ اب سینما گھروں میں پہنچ گئی ہے جیسے ایک پنجابی فلم "اکبرا" بنی ہے جس کے شروع میں ہے ؎

دما دم مست قلندر، سخی شہباز قلندر، علی دا پہلا نمبر۔۔۔۔

اور فلم کے اختتام پر دو نعرے لگاتے ہیں۔ علی اللہ، علی اللہ ۔۔۔۔ یعنی، نعوذ باللہ خالق کائنات کی توہین۔ اور رُسول مقبول علیہ السلام کی تعلیم کی صریح تکذیب

کی گئی ہے اور اُسے سنسر بورڈ نے پاس بھی کر دیا ہے۔ خیر فلم فیل ہو گئی۔ ہیرو اکمل مارا گیا۔ ہیروین فردوس بیوہ ہو گئی (انشاء اللہ دوسرے بھی کیفرِ کردار کو پہنچیں گے)

محترم عزیز احمد صدیقی نے ارمغانِ عجم پیش کر کے عجمی خداؤں اور اُن کے پرستاروں کے عقائد سے پردہ اُٹھا دیا ہے۔ اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کو جو کُل نسلِ آدم کے لیے مشعلِ راہ ہے پھر سے اُجاگر کیا ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں دُعا ہے کہ مُسلمان اِسے پڑھ کر صراطِ مُستقیم پر گامزن ہوں۔ آمین[1]

[1] اِس کتاب کا پہلا ایڈیشن ایوبی پریس آرڈی نینس کی وجہ سے کراچی میں شائع نہیں ہو رہا تھا۔ محترم نظامی صاحب نے اسے لاہور سے شائع کروایا۔ اور خود اِس کا تعارف لکھا۔ اللہ اُن کو جزائے خیر مرحمت فرمائے۔ بڑے بے جگرا ور بے لوث دُوست ہیں

(موٗلف)

پہلا باب

پیش فرعوناں بگو حرفِ کلیم — تا کند ضربِ تو دریا را دونیم

اِسلام پر کیا بیتی،

ابھی چند روز پہلے کی بات ہے میں بھی اپنے باپ دادا کی طرح حصولِ ثواب اور تلاشِ نجات میں وعظ و میلاد، قوالی و مجالسِ شیعہ میں دوڑا جاتا اور ایمان تازہ کیا کرتا تھا۔ جو باتیں سمجھ میں نہ آتیں یا خلافِ عقل ہوتیں ان پر بھی زبان نہ کھولتا تھا۔ کیونکہ بزرگ کہہ گئے ہیں۔ ؎ خطائے بزرگاں گرفتن خطا است

اتفاق سے ایک دن قرآن حکیم کا انگریزی ترجمہ خرید لایا اور پڑھا تو حیران رہ گیا مترجم قرآن نے بھی اعتراف کیا تھا کہ یہ ایک عجیب و غریب کتاب ہے جو ہر دور اور ہر زمانے میں جاہل اور عالم دُونوں طرح کے لوگوں کی اِن کی استعداد اور سمجھ کے مُطابق رہنمائی کرتی ہے۔ اگر اقوامِ عالم قرآن کی تعلیم پر اتفاق کر لیں تو ہماری دُنیا جنّتِ ارضی کا نمونہ بن سکتی ہے۔

لیکن ہم اپنے دانشوروں، بزرگوں یعنی مُلّاؤں اور مجتہدوں سے عُمر بھر یہی سُنتے چلے آئے کہ "قرآن کا سمجھنا آسان نہیں ہے۔ اسے صرف امام اور عُلماء ہی سمجھ سکتے ہیں۔ عَربی زبان نہایت مُشکل زبان ہے۔ اِس میں ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں۔ ذرا سی لغزش ہوئی اور ایمان غارت ہوا۔ مگر قرآن کہتا ہے کہ اِس میں ہدایات آسان اور عام فہم انداز میں کھول کر بیان کی گئی ہے۔ اِس کی تعلیم کسی

قوم یا فرقے کے لئے مخصوص نہیں۔ یہ ساری دُنیا کی ہدایت کے لئے آیا ہے۔ چنانچہ انگریزوں نے اسے پڑھا سمجھا اور ترجمہ کر ڈالا۔ معلوم ہو کہ مولوی اور مجتہد کسی خاص وجہ سے مسلمانوں کو قرآن سے دُور رکھنا چاہتے ہیں۔ اور وہ خاص وجہ معلوم کرنا ہو تو یہ کتاب پڑھیئے۔

چند روز بعد اپنے ایک دوست کے اصرار پر پھر ایک مجلس میں جانا پڑا۔ جہاں علامہ رشید ترابی صاحب ذاکری فرما رہے تھے۔ آپ نے بڑی گرجدار آواز میں فرمایا۔ "باب العلم کو ہم نے بابل و نینوا کی میراث سونپ دی" تو مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے اپنے دوست سے پوچھا یہ بابل علم کون صاحب تھے۔ اس نے جھنجھلا کر جواب دیا یہ لفظ بابل علم نہیں ہے۔ اسے باب العلم کہو۔ یعنی علم کا دروازہ۔ اور یہ خطاب جناب امیر کا ہے (یعنی حضرت علیؓ کا)

میں نے کہا۔ مگر باب العلم کو بابل و نینوا سے کیا تعلق تھا۔ وہ خالص عربی تہذیب اور رسُول عربی علیہ السلام کی تربیت کے پروردہ اور نمائندہ تھے جب کہ بابل و نینوا قدیم آریائی تہذیب کے گہوارے شمار ہوتے ہیں۔ وہ حضرت علی کو میراث میں کیسے مل سکتے تھے"۔ وہ ہنسا اور کہنے لگا "یہی تو ہمارے باطنی اسرار ہیں۔ جنہیں سمجھنے کیلئے تمہیں ایک عمر درکار ہوگی۔

ظاہر و باطن کے اسرار

اب مجھے باطنی علوم کی تلاش ہوئی۔ بزرگانِ دین یعنی اولیا و صوفیا وغیرہ کے حالات زندگی میں بار بار پڑھ چکا تھا کہ خواجہ بندے نواز، خواجہ فرید، علی ہجویری، نظام الدین اولیا وغیرہ علوم ظاہری و باطنی سے بدرجہ کمال واقف تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ علوم ظاہر سے مراد قرآن و حدیث کی تعلیم ہے۔ جو چاہے ان کتابوں کو پڑھ لے۔ اور عالم فاضل بن جائے۔ مگر ان سے کوئی ولی، مجذوب، قطب، ابدال یا اولیا نہیں بنتا۔ صرف عالم بن سکتا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ اسے مولوی یا مولانا کہا جا سکتا ہے۔ لیکن باطنی علوم حاصل کرنے کے لئے خاص قسم کے رُوحانی پیشوا اور مرشد کی

ضرورت ہوتی ہے جس میں خُدائی صفات بھی ہوں۔ یعنی وہ تصرفات کر سکے۔ کرشمے دکھا سکے، لوگوں کے دلوں میں رُعب پیدا کر سکے۔ جو چاہے کر گزرے، نامرادوں کی مُرادیں پوری کر دے، بے اولادوں کے گھر اولاد پیدا کر دے۔ حتیٰ کہ سُنا ہے کہ جیسے اللہ مار ڈالتا تھا ایسے بزرگ اسے قُم بِاِذنی کہکر زندہ کر دیتے تھے خاص کر شیعہ مجتہدین علوم باطنی سیکھے بغیر مجتہد نہیں بنتے۔ جب سیکھ لیتے ہیں تو حجۃ الاسلام، آیات اللہ، آقائے شریعت، قبلہ و کعبہ کے خطابات سے نوازے جاتے ہیں۔

اتفاق سے علوم باطنی سے پردہ اُٹھانے کی سعادت دو باطنی بزرگوں کو حاصل ہوئی جنہوں نے باطنی فرقوں سے تعلق رکھتے ہوئے بھی دیانتداری سے سب کچھ کھول کر لکھدیا۔ اور سارے راز فاش کر دیئے۔ ان علوم پر پہلی کتاب انگریزی میں دی فاطمید (THE FATMID) کے نام سے ملی جسے پروفیسر عبّاس ہمدانی نے لکھا۔ اور پاکستان پبلشنگ ہاؤس کراچی نے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب شیعہ حضرات کی کوششوں کی بدولت انٹرمیڈیٹ کے نصاب میں بھی شامل ہے۔

دُوسری کتاب تاریخ بنو فاطمین مصر ہے۔ جس کے مصنف پروفیسر زاہد علی ہیں یہ کتاب نفیس اکیڈمی کراچی نے دُو جلدوں میں شائع کی ہے۔ اور بی۔ اے کے نصاب میں بھی شامل تھی۔ گورنر موسیٰ نے اپنی شیعیت کی پردہ داری کے لئے خلفاء راشدین کے ساتھ اسے بھی خارج از نصاب کر دیا۔

یہ دُونوں مصنفین شیعہ فرقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر دُونوں نے جان بُوجھکر یہ بتلانے کی کوشش کی ہے کہ شیعیت نے باطنیت کے پردے میں اسلام کے ساتھ غداریاں کی ہیں۔ اور اُسے نقصان پہنچایا ہے۔

باطنی تحریک کی مقبولیت

پروفیسر ہمدانی مُقدمہ کتاب میں لکھتے ہیں کہ باطنی فرقہ خاص وجوہ اور خاص مقاصد سے معرض وجود میں آیا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں اِس قدر مقبول ہوا کہ اس نے نہ صرف شریعت کو بدلنے اور منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا۔ بلکہ اقتدار بھی حاصل کر لیا

اور خلافت بغداد سے ٹکر لینے کے قابل بن گیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ

"بنو فاطمین کی حکومت شمالی افریقہ میں ۲۹۷ھ میں قائم ہوئی۔ یہ ایک سوچی سمجھی تنظیم کے تحت جسے اسماعیلی تحریک کہتے ہیں وجود میں آئی۔ یہ دراصل اسی شیعہ تحریک کی ایک شاخ تھی جسے اسلام کے انصائے عالم میں پھیلنے کے بعد عجمیوں یعنی ایرانیوں، عراقیوں اور خراسانیوں نے شروع کر رکھا تھا۔ یہ لوگ عربوں کے ماتحت بن کر رہنا پسند نہ کرتے تھے۔ برابر کے حقوق مانگتے تھے۔ مگر جب وہ حقوق نہ ملے تو اُنہوں نے اپنی قوت کا اظہار کرنے کے لئے خلافت کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنایا کیا جو بالآخر حضرت عثمان کی شہادت کا باعث بنا۔ اس سے شیعہ متحدہ محاذ کی اہمیت بڑھ گئی۔ اور لوگ جوق درجوق اس میں شامل ہونے لگے۔" وحی فاطائید منا

غالباً اس عبارت سے واضح ہو گیا ہو گا کہ عجمی یعنی آریائی نژاد نسلیں جو صدیوں سے اپنی گوری رنگت، قدیم تہذیب اور نسلی برتری پر ناز کرتی رہی تھیں، عربوں کی محکوم بن کر زندگی گزارنا نہ چاہتی تھیں۔ وہ عربوں کو وحشی، بادیہ نشین اور حقیر قوم سمجھتی تھیں۔ جیسا کہ کئی صدیوں بعد فردوسی بھی اپنی نفرت کو چھپا نہ سکا اور لکھ گیا ؎

زشیر شتر خوردن و سوسمار　　عرب را بجائے رسیدست کار
بدیہیم ایران کند آرزو　　تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو

بادل ناخواستہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا مگر بہ باطن اس کی بیخ کنی کے درپئے ہو گئے۔ اُنہوں نے عربی زبان سیکھ کر اپنی قدیم روایات اور رسمیں اسلامی تعلیم میں ملا کر پیش کر دیں تو نئی نسل سچ اور جھوٹ میں امتیاز کرنے کے قابل نہ رہی۔ پھر اسے باطنی اسلام کا نام دے دیا گیا تو مسلمانوں میں افتراق پیدا ہو گیا۔ عجمیوں نے باطنی اسلام کو لے لیا اور عرب ظاہری اسلام پر قائم رہے۔ مگر یہ فرقہ بندی صرف دو گروہوں تک محدود نہ رہ سکی۔ اور جلد ہی ان میں آپس میں قوت آزمائی شروع ہو گئی۔ چنانچہ ہمدانی صاحب لکھتے ہیں۔

گو یہ سچ ہے کہ ان شیعوں کو کربلا کے واقعہ میں پہلی سخت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا مگر اس نے ان کی تحریک کو خفیہ کاروائیاں کرنا سکھلا دیا۔ چنانچہ جلد ہی ان کی دوسری کوشش مختار کیسانی کے تحت خلیفہ عبدالملک کے زمانے میں رونما ہوئی۔ اس نے حضرت علیؓ کے بیٹے محمد بن حنفیہ کو امام مقرر کیا اور حکومت وقت سے ٹکر گیا۔ ہر چند یہ بغاوت بھی ناکام رہی مگر مہدی آخر الزمان کا تصور مسلمانوں میں اسی وقت سے راسخ ہو گیا۔ مختار نے اپنی ناکامی پر پردہ ڈالنے کے لئے مشہور کر دیا کہ محمد بن حنفیہ مرے نہیں بلکہ روپوش ہو گئے ہیں اور پھر سیاہ جھنڈے لیکر ایک دن واپس آئیں گے اور دنیا میں عدل و انصاف قائم کر دیں گے۔ یہ عقیدہ بے حد مقبول ہوا بلکہ شیعہ عقائد کی بنیاد بن گیا (ص۲)

یعنی اسلامی عقائد و اعمال میں اختلاف و اختلال پیدا کرنے اور اسلام کا شیرازہ بکھیرنے کے لئے ضروری تھا کہ مکاتب فکر تیار کئے جائیں اور ان میں نزاعی مسائل پر بحث و تکرار اور مناظرے کروا کر انہیں شہرت دی جائے۔ ہمدانی صاحب فرماتے ہیں۔

قدریہ عقائد

"بنو اُمیہ کے دور میں شیعہ تحریک کا عقیدہ "قدر" یہ تھا یعنی ہر شخص کو اپنی مرضی کے مطابق سوچنے سمجھنے اور عمل کرنے کا حق ہے۔ اور اس سے یہ ثابت کیا جاتا تھا کہ بنو اُمیہ اگر برے ہیں تو عوام کا حق ہے کہ ان کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں اور ان کو نکال باہر کریں۔ یہ عقیدہ سب سے پہلے حسن بصری نے پیش کیا تھا مگر بعد میں امام جعفر صادق نے اسے اپنا لیا اور پھر بنو فاطمین کا یہ مرکزی عقیدہ بن گیا۔"

معتزلہ فرقہ

آگے لکھتے ہیں کہ بنو اُمیہ کے خاتمے پر عہد عباسی میں یونانی، ایرانی، اور دیگر زبانوں کے علوم اور فلسفے کے تراجم عربی میں ہونے لگے۔ یہ نئے خیالات قرآن کے سیدھے سادھے اسلام کے لئے سخت نقصان دہ ثابت ہوئے۔ اسلام منطق اور فلسفے کا متحمل نہ ہو سکتا تھا۔ اس سے ایک نیا فرقہ وجود میں آ گیا جو معتزلہ کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ لوگ فلسفے اور منطق کے ذریعہ اسلامی عقائد میں انقلاب پیدا کرنے لگے۔ شیعوں نے اس سے فائدہ اُٹھایا اور علوم باطنی کی بنیاد ڈالی۔ وہ کہنے لگے کہ ظاہری

الفاظ کے باطنی معنی بھی ہوتے ہیں۔ اور باطنی معنوں کو سمجھنے کے لئے تاویل ضروری ہے۔ یقیناً یہ تاویلات جو یونانی اور آریائی دیومالا کے عقائد کی تطبیق سے تیار کی گئی تھیں قرآنی تفسیر نہ تھیں۔ بلکہ فلسفہ و منطق کے ذریعہ قرآنی الفاظ کو نئے معنی پہنا دیئے گئے تھے جو شیعہ اماموں کے مفید مقصد ثابت ہوئے۔ تاویل کا کام امام جعفر صادق کے زمانے میں اپنی معراج کو پہنچ گیا اور مقبول عام ہوا۔ پھر فاطمیوں نے اس علم سے پورا فائدہ اٹھایا۔"

(دی فاطمائید ص۳)

اِس طرح ایک نئی شریعت نے جنم لیا۔ جو حضرت علیؓ اور اُن کی اولاد سے توسل کا دعویٰ کرکے باطنی شریعت کی شکل میں اُبھری۔ اور جب اُس تحریک کو اقتدار حاصل ہوا تو اُس نے شریعت محمدی کی منسوخی کا دھڑلے سے اعلان کر دیا۔ اور مسلمان دم بخود بیٹھے رہے اُن میں کوئی ہیجان نہ ہوا چنانچہ یہ قصہ ڈاکٹر زاہد علی سے اِنکی اپنی زبان میں سُنئے تاکہ غلط ترجمے کا شک نہ رہے۔

ظاہری شریعت کی تنسیخ

اسمٰعیلی کتابوں میں ظاہری شریعت کی تعطیل کے متعدد حوالے ملتے ہیں۔ امام معزؔ کی دعاؤں میں جو تعطیل کا لفظ ہے اسکے معنی تبدیل و تنسیخ ہی ہیں۔ شریعت محمدی کا مقابلہ انبیأ سابقین کی شریعتوں سے کرنے سے مُراد ہی یہ ہے کہ ظاہری شریعت کو منسوخ کر دیا گیا۔ یعنی ساتویں رسُول محمد بن اسمٰعیل کے عہد سے جو قائم سابع اور قائم القیامۃ والبعث ہیں ظاہری شریعت معطل ہوگئی اور باطنی شریعت شروع ہوگئی۔ گویا چھٹا جسمانی دَور ختم ہوا۔ اور ساتویں رُوحانی دَور کی ابتدا ہوگئی۔ اب ظاہری اعمال یعنی نماز روزہ وغیرہ کی ضرورت نہیں رہی۔ کیونکہ ان کی تاویلیں ظاہر کر دی گئیں۔ اب مثولات کی معرفت اور ولایت کافی ہے۔ سب سے اہم راز جسے امام معزؔ کے باب الابواب جعفر بن منصور نے صاف صاف ظاہر کردیا یہ ہے کہ ہم نے صرف چھ اماموں پر انحصار کیا ہے۔ اور بے شک ساتویں امام محمد بن اسمٰعیل ہی اہل معرفت و عقل کے لئے مبدل شریعت ہیں۔ یعنی شریعت کو بدلنے والے ہیں۔ اور یہی عقیدہ قدیم اسمٰعیلیوں کا رہا ہے۔" (ص۲۰۹ ج ۲)

یعنی جب باطنی شریعت کے اصول و عقائد مرتب ہوگئے تو اعلان کر دیا گیا کہ

اب ظاہری شریعت کی ضرورت نہیں رہی۔ اور آپ کو معلوم کرکے حیرت ہوگی کہ یہ باطنی شریعت حضرت علیؓ کی شریعت کہلائی جو رسُول عربیؐ کی زندگی میں دورِ ستر میں یعنی پوشیدگی میں تھی۔ خلفأ ثلاثہ کے دَور میں اُس پر دورِ فترت طاری رہا۔ یعنی کمزوری اور بے بسی کا دور رہا اور جب حضرت علیؓ کو خلافت مِل گئی تو دورِ کشف میں آگئی یعنی اُس کا ظہور ہو گیا اور جب ظہور ہو گیا تو لازماً اُس نے اپنے پیشرو رسُول کی شریعت کو جو ظاہری شریعت کہلاتی ہے، منسُوخ کر دیا۔

اُس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ جو اِس باطنی شریعت کو نہ ماننے اور رسُولِ عربی کے اِسلام پر قائم رہنے کی ضد کرے وہ مرتد، کافر، ناصب، غاصب اور خارجی کہلائے۔ پھر اُس کا اطلاق عہدِ ماضی پر بھی کر دیا۔ اور تمام خلفأ اِسلام، اصحاب رسُول و ازواج مطہرات کو بھی مرتد کا فر قرار دیا گیا۔ اور برملا کہا گیا کہ حضرت علیؓ اور اُن کے پانچ اعوان و رفقار کار کے علاوہ سب مرتد ہوگئے تھے۔ اُس سے بھی عام مُسلمانوں کی کوئی دل شکنی نہ ہوئی جس سے اُن کی گمراہی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ دُوسری طرف جس نے باطنی اِسلام قبول کر لیا۔ یعنی حضرت علیؓ کی رسالت، امامت اور ولایت کا اعتراف کر لیا وہ مُسلمان ہو یا نہ ہو، مُومن کہلانے کا مُستحق بن گیا۔ بلکہ اُسے اور اُس کی اولاد کو آلِ رسُول اور سیّد بن جانے کا بھی حق مِل جاتا تھا چنانچہ عہدِ ماضی میں تمام یہودی اور مجوسی جو باطنی تحریک میں شریک ہوئے وہ سادات مُومنین کہلائے اور اب بھی لوگ آلِ حسین اور آلِ رسُول کہلاتے ہیں۔ اور کوئی اعتراض بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ آل کے معنی اُمت کے ہیں۔ جیسے آلِ فرعون اور آلِ فرد وہ قومیں ہیں جو اِن کے بادشاہوں کا ساتھ دیتی تھیں اور آلِ ابراہیم اور آلِ موسیٰ سے جنگ کرتی تھیں۔ ظاہری و باطنی رسالت کا فرق ڈاکٹر زاہد علی سے سُنئے۔

ظاہری و باطنی رسالت کا فرق

علُوم باطنی کی رُو سے دورِ ستر و پوشیدگی میں مستقر امام الہام سے حسب ضرورت اپنی جگہ نائبوں کا تقرر کرتا ہے جو مستودع یا انبیا کہلاتے ہیں۔ امام اگر مناسب سمجھتا ہے تو خود بھی کبھی کبھی ظاہر ہوتا ہے۔ مگر اس کا ظہور کلی نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ بعض بعض

مقامات پر ظاہر ہوتا ہے جس طرح حضرت ابراہیم کا ظہور شام میں ہوا۔ آپ اپنے زمانے کے مستقر امام بھی تھے۔ یعنی ظاہری شریعت کے علاوہ علم باطن کے بھی مالک تھے۔ آپ کی ذات میں مستقر اماموں کا سلسلہ حضرت عبدالمطلب تک پہنچا۔ اُن کے دو فرزند ہوئے، ایک حضرت عبداللہ جنہیں عبدالمطلب نے ظاہری دعوت کا صدر بنایا۔ اور دُوسرے ابو طالب جنہیں دعوت باطنی کا رئیس مقرر کیا۔ حضرت عبداللہ کے قائم مقام حضرت رسُولِ خدا صلعم ہوئے۔ اور حضرت ابو طالب کے جانشین حضرت علیؓ ہوئے۔ یعنی ہر بیٹے کو اپنے باپ کی وراثت ملی۔ اسی وجہ سے حضرت رسُولِ خُدا صلعم شریعتِ ظاہری کے مالک ہوئے۔ اور حضرت علیؓ دعوتِ باطنی کے صدر مقرر ہوئے۔ حضرت علی کی نسل سے قیامت تک ائمہ قائم ہوں گے۔ اور آخری امام قائم القیامۃ ہوگا جو دورِ کشف کا پہلا امام ہوگا اس کے بعد پھر دورِ فترت (کمزوری) اور اس کے بعد دُورِ ستر (پوشیدگی) واقع ہوگا۔ اور جب تک جسمانی عالم میں سب نفوس نجات نہ پا جائیں۔ گویا دُنیا کے ختم ہونے تک پہلے انسان صاحب جثہ ابداعیہ ہی کی نسل سے امامت کا سلسلہ باقی رہیگا (نو ناطین مصر ص۲۳ تا ۳۴)

ناظرین کو اس مضمون سے رسُول اللہؐ اور علیؑ کے مراتب کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ رسُول اللہؐ کو علوم باطنی کا کوئی علم نہ تھا۔ علوم باطنی صرف حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کو معلوم تھے اور اُنہیں میں رہے۔ نیز آپ کو معلوم ہوا کہ ہمارے رسُولِ عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو رسالت ملی تھی وہ نبوت تھی۔ اور حضرت علی کی رسالت کا نام امامت تھا۔ باطنی عقیدہ ہے کہ امام رسُول اور نبی سے برتر ہوتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب سے امام کا مرتبہ معلوم کیجئے۔ اِس سے واضح ہو جائے گا کہ امام نبی سے کیوں بڑھ کر ہوتا ہے۔ آپ اس عقیدے کو قبول نہ کریں گے تو ناصبی کہلائیں گے۔ یعنی پھر آپ کا حشر مومنین کے ساتھ نہ ہو سکے گا۔

امام کا مرتبہ "امام کو ایک فوق البشر شخصیت دی جاتی ہے۔ اس سے خُدائی صفات منسوب کی جاتی ہیں۔ اِس کو رسُول سے بڑھ کر سمجھا جاتا ہے کیونکہ رسُول تو معمولی انسان ہوتا ہے۔ دُنیا میں ایک لاکھ چالیس ہزار رسُول آئے۔ لیکن امام

صرف چند ہوئے جن میں سے چھ تو سب کے پاس مشترک ہیں یعنی امام جعفر تک جو باطنی مذہب کے بانی ہیں۔ اس کے بعد ہر فرقے کے امام الگ ہوگئے۔ مگر وہ ساٹھ سے متجاوز نہ ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ اخوان الصفا میں امام کی خصوصیات حسب ذیل درج ہیں "باطنی عقائد میں امام علمِ خُدا کا خازن اور علمِ نبوّت کا وارث ہے۔ اس کا جوہر سماوی اور اس کا علم عُلوی ہے۔ اس کے نفس پر افلاک کا کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ اس کا تعلق اس عالم سے ہے جو خارج از افلاک ہے۔ اس میں اور دُوسرے بندگان میں وہی فرق ہے جو حیوان ناطق اور حیوان مطلق میں ہوتا ہے۔

ہر زمانے میں ایک امام ہوتا ہے۔ زمین کبھی امام سے خالی نہیں رہ سکتی۔ ورنہ وہ متزلزل ہو جائے۔ اماموں کا سلسلہ روزِ قیامت تک حضرت فاطمہ ہی کی نسل سے جاری رہے گا۔ باپ کے بعد بیٹا خواہ وہ عمر میں بڑا ہو یا چھوٹا، بالغ ہو یا نابالغ امام ہوتا رہیگا سوائے حضرت حسنؓ اور حسینؓ کے جو ایک خاص صُورت ہے (یعنی دُونوں بھائی ہوتے ہوئے بھی امام برحق ہیں)

امام ہی کو دُنیا پر حکومت کرنے کا حق ہے۔ دُوسرے سب حکام غاصب اور متغلب ہیں (مُراد ناصبیوں سے ہے جن میں خلفا اسلام و سلاطین عباسیہ سب شامل ہیں) کبھی امام ظاہر ہوتا ہے، کبھی اپنے دُشمنوں کے خوف سے چھُپ جاتا ہے۔ اِس صُورت میں اِس کے نائب جنہیں داعی یا آویا کہا جاتا ہے اس کے قائم مقام ہوتے ہیں۔

امام معصوم ہوتا ہے اس سے کوئی خطا نہیں ہوتی۔ ہر حالت میں اس کے حکم کی تعمیل لازمی ہے۔ خواہ اِس میں کوئی حکمت نظر آئے یا نہ آئے۔

امام غیب اور آنے والے حوادث سے واقف ہوتا ہے۔ اور شریعت کے تمام علوم جانتا ہے۔ خصوصًا کلام مجید کے حروف مقطعات کے اسرار سے سوائے امام کے دُوسرے واقف نہیں۔ (حتیٰ کہ رسُول اللہ بھی واقف نہ تھے۔)

معرفت کی طرح ہر مومن پر اپنے زمانے کی ولایت بھی فرض ہے۔ یعنی اِسکی ولایت کو تسلیم کئے بغیر کوئی عمل مقبول نہ ہوگا۔ جو امام کی امامت کا قائل نہیں اُس کے

سارے اعمال محض بیکار ہیں" (بنو فاطمین مصر ص۲۶۸)

یقیناً اس بیان سے واضح ہو گیا ہو گا کہ باطنی شریعت کا امام ہمارے اسلامی عقیدہ رسالت و نبوت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ یہ محض عجمی دیوتاؤں جو بیٹیٹر، اپولو، لعل وغیرہ قسم کی کوئی چیز ہوتا ہے۔ مگر انسان نہیں ہوتا۔ امامت کے اس سلسلے کو جاری کرنے والے بزرگ کا حال ڈاکٹر زاہد علی سے سنئے۔

باطنیت کا بانی

"کہا جاتا ہے کہ اسمٰعیلی دعوت کا بانی ایک ایرانی داعی (مبلغ) ابوشاکر میمون القداح یا اس کا بیٹا عبداللہ ہے۔ یہ دونوں مختلف ادیان اور یونانی فلسفے کے ماہر تھے۔ میمون دوسری صدی کے نصف آخر میں جنوب فارس میں رہتا تھا جو شیعوں کی پناہ گاہ تھی۔ اس کا اصلی مذہب مجوسی (آتش پرست) تھا۔ لیکن وہ اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کرتا تھا۔ ابتدائی زندگی میں وہ حضرت امام جعفر کا غلام تھا۔ خلیفہ عباسی منصور ۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ کے آخری عہد میں وہ اور اس کے ساتھی گرفتار کر کے کوفے کے قید خانے میں بھیج دیئے گئے۔ قید خانے میں انہوں نے اپنے مذہب کے جو مذہب باطنیہ (چھپانے یا چھپنے والوں کا مذہب) کے نام سے منسوب ہے کچھ مدارج مقرر کئے (قواعد و قوانین بنائے) قید خانے سے چھوٹنے کے بعد میمون اور اس کے بیٹے نے اسمٰعیلی دعوت کا سلسلہ شروع کیا جو جنوب فارس، جنوب عراق اور بحرین میں بڑا کامیاب رہا (بنو فاطمین مصر ج ۲ ص۳۱۴)

ابھی ڈیڑھ سو سال بھی نہیں گزرے تھے کہ رسول عربی کا اسلام منسوخ ہو گیا۔ اور ایک نئے مذہب کی داغ بیل پڑ گئی۔ جو عرب کے باہر عجمی علاقوں یعنی عراق، ایران، سمرقند، بخارا، شام، فلسطین، یمن، مصر اور مشرقی افریقہ میں بے حد مقبول ہوا۔ آیئے دیکھیں اس کی تبلیغ کس طرح شروع ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں

باطنی دعوت کیا ہے

"اسلام کے جن فرقوں نے مذہب کو فلسفے سے متحد کرنے کی کوشش کی ان میں معتزلہ اور اسمٰعیلیہ کو قدامت کا شرف حاصل ہے۔ اکثر کی رائے ہے کہ اسمٰعیلیوں نے اپنے اصول معتزلیوں سے اخذ کئے ہیں۔ جن کا رئیس واصل بن عطا متوفی ۸۱ھ گزرا ہے۔

اسمٰعیلیوں کا بھی دوسرے شیعہ فرقوں کی طرح یہ عقیدہ ہے کہ شریعت کے روحانی علوم کا منبع اور سرچشمہ حضرت علیؑ ہیں۔ آپ کے بعد ان علوم کی وراثت آپکی اولاد کو ملی۔ یہ علوم سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے ہوئے حضرت امام جعفر صادق متوفی ۱۴۸ھ تک پہنچے۔ آپ نے ان کی اشاعت میں بڑا حصہ لیا۔ آپ کے شاگرد ابو موسیٰ جابر بن حیان نے ایک ہزار ورق کی ایک کتاب لکھی جس میں آپ کے پانچ سو رسالے شامل ہیں۔ یہ رسالے زیادہ تر زجر فال کیمیا وغیرہ کے مسائل پر مشتمل ہیں۔ آگے لکھتے ہیں۔

بہرحال اسمٰعیلیوں کی روایت کے مطابق حضرت امام جعفر صادق نے علوم باطنیہ کی اشاعت میں بڑا اہتمام کیا۔ آپ ہی نے ظہور سے پہلے مہدی کے ظہور کی تمہید کی۔ بلاد مغرب (افریقہ کے شمالی حصے) میں اسمٰعیلی داعیوں نے مسلسل اور جان توڑ کوشش کر کے اسمٰعیلیت پھیلائی۔ اور خلافت عباسیہ کے سیاسی اثر کو ان شہروں سے زائل کر دیا۔ ان میں سب سے زیادہ جس داعی کی دلیری محنت اور جان فشانی قابل تعریف ہے وہ ابو عبداللہ شیعی ہے۔ اور فاطمین کے ظہور کا سہرا اسی کے سر ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ اسمٰعیلی پہلے ایک فرقے کی شکل میں تھے۔ بڑھتے بڑھتے سیاست کے میدان میں اتر آئے۔ ان کے مہدی کے ظہور کا اصلی مقصد ان کے عقائد کی تعلیم تھی۔ باطنی اسمٰعیلی عقائد کی تعلیم صرف دعوت کے حلقے تک محدود تھی۔ مگر ظہور مہدی کے بعد سے فرقہ اسمٰعیلیہ کا مذہبی دور سیاسی دور میں بدل گیا۔" (ص۲۸۸ تا ص۲۹۰ ج ۲)

یہ مضمون بالکل صاف ہے۔ اس لئے اس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی ایک مجوسی غلام کی دماغی اُپج قابل تعریف ہے کہ نہ صرف اس نے اسلام کو زک دینے کے قابل ایک نیا مذہب تیار کیا۔ بلکہ حکومت پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور خوب کیا یعنی فاطمی سید بن کر کیا اور اصلی سادات منہ دیکھتے رہ گئے۔

یہاں لفظ دعوت یا دعوہ کے معنی پر غور کر لیجئے۔ یہ لفظ تبلیغ سے زیادہ وسیع معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ یہ لفظ انگریزی لفظ مشن (MISSION) یا مشنری کے مترادف ہے۔ اب آپ ڈاکٹر صاحب سے سُنئے۔ یہ مشن کیسا تھا اور کس کے عزائم کیا تھے۔

دعوت کے مقاصد

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔ "بے شک اسمٰعیلیوں نے اپنی سیاسی عمارت کی بنیاد، مذہب پر رکھی تھی جسے وہ دعوت کہتے تھے۔ امام مہدی سے لیکر مستنصر کے اگلے زمانے تک یہ مذہبی سرگرمی جاری رہی۔ امام کے قصر میں بڑے اہتمام سے مذہبی مجلسیں ہوا کرتی تھیں جن میں علوم اہلِ بیت پر لکچر دیئے جاتے۔ فقہ میں دعائم الاسلام، اور علمِ باطن یا تاویل میں اساس التاویل، سرائر النطقاء، تاویل الزکوٰۃ، تاویل سورۃ النساء وغیرہ اِسی دور میں تصنیف کی گئیں۔ مصر کے علاوہ عراق، شام، یمن اور ہندوستان کے بعض شہروں میں دعوت قائم کی گئی اور تبلیغ کا سلسلہ بڑی کوشش سے جاری رہا۔ اسی زمانے میں ناصر خسرو، حمید الدین کرمانی، مویدشیرازی اور حسن بن صباح ایران سے مصر میں آئے" (صفحہ ۳ ج ۲)

ڈاکٹر صاحب بتلاتے ہیں کہ ان داعیوں یعنی مشنریوں کے اصلی مقاصد سیاسی ہوتے تھے۔ یعنی دُوسرے ممالک میں تبلیغ دین کے بہانے جانا اور شورشیں برپا کرنا۔ ہو سکے تو حکومت وقت کے خلاف بغاوت کروا دینا۔ اور موقع ملے تو حکومت پر قبضہ کر لینا"۔

آگے لکھتے ہیں کہ اسمٰعیلیوں کے دعوتی نظام میں چند داعی ایسے بھی ہوئے ہیں جو اہلِ سیف کہلائے۔ اُن کے ہاتھ میں مُلک کی حکومت آئی اور یہ سیاسی امور انجام دیتے رہے۔ بعض داعی اہلِ قلم ہوئے جنہوں نے امورِ مذہبی کے صدر کی حیثیت سے شرعی خدمتیں انجام دیں اور بلحاظ مصلحت کبھی ایک ہی داعی سیف و قلم کا مالک ہوا۔ اور دُونوں فرائض انجام دیتا رہا۔ (ج ۳ صفحہ ۳)

ڈاکٹر صاحب ایک بڑے گُر کی بات بتلا گئے کہ اسلام کے خلاف مذہب بنانے کے لئے ایسی چیز پیش کرنی تھی جو لوگوں کو اپیل کرتی۔ اور یہ چیز تھی محبت اہلِ بیت کا چھلکا جو عبداللہ بن سبا یہودی نے چھوڑا تھا۔ اور اس چھلکے سے نہ صرف حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے میں کامیابی ہوئی بلکہ بنو اُمیّہ کا بھی خاتمہ کر دیا گیا۔ جو اسلام کے بڑے داعی تھے۔ شاید آپ کو یہ سن کر حیرت ہو کہ اسی دعوت اہلِ بیت کے نام سے فاطمیوں سے پہلے عبّاسیوں نے بھی حکومت حاصل کی تھی۔ اور شیعانِ عراق کی مدد سے بنو اُمیّہ کی حکومت ختم کی تھی۔

ہاشمیّت کا دعویٰ

فرماتے ہیں "اہلِ بیت کے لفظ سے عرفِ عام میں حضرت فاطمہؓ کی اولاد مُراد تھی۔ لیکن عبّاسیوں نے عام لوگوں کو باور کرایا کہ وہ بھی اہلِ بیت کی طرف دعوت کرتے ہیں اور اپنی دعوت کا نام ہاشمیہ رکھا۔ جس سے دراصل مُراد ابو ہاشم عبداللہ عبّاسی سے تھی۔ مگر لوگ سمجھے کہ اس سے مُراد بنو ہاشم بن عبدالمطلب ہیں۔ جن میں بنو فاطمین بھی شامل ہیں۔ اِس سے لوگ دھوکے میں آگئے اور عبّاسیوں نے اپنی قوت بڑھالی۔ حقیقت میں ان کی کامیابی زیادہ تر شیعوں کی کوششوں کے سبب ہوئی جو مختار بن ابی عبیدہ کے وقت سے اہلِ بیت کے لئے دعوت کر رہے تھے۔ اور جنہوں نے موالی دعجمی غلاموں کی ایک کثیر تعداد کو اپنے زیرِ اثر کر لیا تھا۔ اِن کے دلوں میں اہلِ بیت کی گہری محبت پیدا کر دی تھی۔ اِس زمانے میں شیعوں کی دُو جماعتیں تھیں۔ ایک محمّد بن حنفیہ کے اتباع جو کیسانیہ حنفیہ کہلاتے اور دُوسری جماعت حضرت فاطمہؓ کی اولاد کے پیرو تھے جس کا نام آئندہ چل کر امامیہ پڑ گیا۔ جس میں اسماعیلیہ اور اثنا عشری دُونوں شامل ہیں" (صفحہ ۵ ج ۱)

آپ نے دیکھا کہ عجمی علاقوں میں دعوت الی الاسلام یا دعوت الی التوحید کے مقابلے میں دعوت اہلِ بیت کیسی کامیاب رہی۔ یعنی عجمی دماغ اپنے انسانی خُداؤں کو چھوڑنے پر تیار نہ تھا۔ ہاں اتنی تبدیلی گوارا تھی کہ پرانے خداؤں کے بدلے نئے خُدا قبول کر لے۔

چنانچہ ڈاکٹر صاحب بتلاتے ہیں کہ فاطمیوں نے بھی جو آگے چل کر باطنی مذہب کے اصل بانی بنے ہیں اسی دعوت اہلِ بیت کے دعوے کے ذریعہ حکومت حاصل کر لی تھی۔ اس کی تفصیل اُنہی سے سُنیئے۔

فاطمی دعویٰ

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔ "۱۴۵ھ میں امام جعفر صادق نے عقائد اہلِ بیت کی تعلیم کے لئے دُو داعی حلوانی اور ابو سفیان افریقہ بھیجے۔ اُن کو ہدایت کی کہ افریقہ کی زمین غیر مزروعہ ہے۔ جاؤ اس میں ہل چلاؤ۔ جب تک کوئی بیج بونے والا وہاں آئے ان داعیوں نے قبائل بربر میں عقائد اہلِ بیت کی اشاعت کی اور

بہت لوگوں کو اپنا معتقد بنایا۔ خصوصاً قبیلہ کتامہ میں اُن کو بڑی کامیابی ہوئی۔ یہی وہ قبیلہ ہے جس کی مدد سے دولت فاطمیہ نے سارے بلاد مغرب پر قبضہ کر لیا۔ (تاریخ فاطمین مصر ص ۳۳)

آگے لکھتے ہیں۔ مگر ان فاطمیوں کے نسب میں لوگوں کو شکوک ہیں۔ اُن کا دعویٰ تھا کہ وہ سب سیدہیں۔ کسی نے امام حسنؓ کی اولاد بتلایا ہے کسی نے امام حسینؓ کی لیکن عوام اِن کو یہودی النسل جانتے رہے ہیں۔ اسماعیلی داعی ادریس کی روایت ہے کہ اسماعیل کے انتقال کے بعد محمد اُن کے وارث ہوئے تو امام جعفر نے محمد کو چھپا دیا۔ کیونکہ خلافتِ عباسیہ اِن کی جان کے درپے تھی۔ اور عوام میں موسیٰ کاظم کو ان کا حجاب یعنی ظاہری نائب اور میمون القداح کو ان کا کفیل یعنی باطنی نائب مقرر کیا۔ تاکہ لوگ محمد کو بھول جائیں اور اِن کی توجہ موسیٰ کاظم کی طرف ہو جائے۔

چونکہ میمون القداح دعوت باطنیہ کا صدر تھا جیسا کہ پہلے گزر رہا ہے۔ عام لوگوں نے سمجھ لیا کہ مہدی یعنی پہلا فاطمی میمون القداح کی اولاد میں ہے۔ اور یہ مغالطہ اس لئے ہوا کہ میمون القداح ابتداء میں امام محمد بن اسماعیل کے نام سے بیعت لیتا تھا۔ لیکن اِس کے بیٹے احمد کو جب کافی قوت حاصل ہو گئی تو اُس نے یہ دعویٰ کیا کہ میرا باپ عبداللہ بن میمون القداح ہی حقیقی امام ہے اور میں اس کا جانشین ہوں۔ یہ دیکھ کر قرامطہ نے اس سے قطع تعلق کر لیا۔ (تاریخ بنو فاطمین مصر ص ۳ ج ۲)

یہاں آپ کو معلوم ہوا کہ قرامطہ بھی باطنی فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ اسماعیلیوں سے ناراض اس لئے ہو گئے کہ اسماعیلیوں نے اولاد فاطمہ ہونے کا دعویٰ کر دیا تھا جب کہ وہ میمون القداح یعنی امام جعفر کے ایرانی غلام کی اولاد تھے۔ قرامطہ بھی خاصے ذی اقتدار تھے۔ سندھ سے پنجاب تک اِن کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ یمن ان کا صدر مقام تھا۔ بحرین میں اُن کی قوت تھی۔ کہتے ہیں کہ قرامطہ نے خانہ کعبہ سے حجر اسود اکھاڑ لیا اور بیس سال تک اسے بحرین میں رکھا۔ وہ خانہ کعبہ کو مسمار کر کے اس کا ملبہ بھی بحرین لانا چاہتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے محمود غزنوی کو بھیجا۔ اس نے اِن کا قلع قمع کر دیا۔ ملتان اور سندھ کی حکومتیں بھی چھین لیں۔ ہمارا کوئی مورخ اس واقعہ کو اہمیت نہیں دیتا۔

حجاج بن یوسف اور بنو اُمیہ ہی اِسے خانہ کعبہ کی توہین کرنے والے نظر آتے ہیں جنہوں نے وہاں چھپنے والے باغیوں کو نکالنے کے لئے سنگ باری کی تھی اور غلاف کعبہ جلا دیا تھا۔ پھر اِس کی تلافی بھی کر دی اور بہتر غلاف پہنا دیا کیونکہ یہ ان کا بھی محترم و معزز تھا۔

گزشتہ صفحات میں ہم نے بتلایا تھا کہ رسُول عربی کے اسلام کو مسخ کرنے اور مسلمانوں کا زور توڑنے کے لئے تمام عجمی ایرانی، عراقی، خراسانی، یمنی اور مصری باطنیت کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے تھے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہمیشہ متحد رہے اور دعوتِ اہل بیت کے نام سے مل کر کام کرتے رہے۔ جی نہیں چونکہ فساد و افتراق اِن کا پیشہ تھا یہ خود بھی کبھی متحد نہ رہ سکے۔ بلکہ فرقہ در فرقہ تقسیم ہوتے چلے گئے۔ اور ایک دُوسرے کو گالیاں دیتے رہے۔ اُن کے اختلاف کی چند مثالیں ڈاکٹر صاحب سے سُنئے

امامت میں اختلاف

امام مہدی کے بارے میں اسماعیلیوں اور دُوسرے شیعوں میں بڑا اختلاف ہے۔ اثنا عشری (بارہ اماموں) کہتے ہیں کہ وہ مہدی جس کی خوش خبری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے وہ بارہویں امام ہیں جو تقریباً ۵ سال کی عُمر میں دُشمنوں کے خوف سے سامرہ کے ایک سرداب اسرد پانی کے چشمے) میں چھپ گئے۔ وہ قیامت تک زندہ رہیں گے۔ اور قائم القیامۃ (یعنی قیامت برپا کرنے والے مُراد خُدا کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔

لیکن اسماعیلیوں کے وہاں مہدی کا ظہور ہو چکا ہے۔ یہ ۲۹۷ھ میں موضع اقادہ میں ظاہر ہوئے۔ باطنیوں کے یہ گیارہویں امام ہیں۔ اِن کے بعد ۹ اور امام ہوئے جو ظہور کے امام کہلاتے ہیں۔ پھر ۵۲۵ھ میں اکیسویں امام طیب ڈھائی سال کی عُمر میں دُشمنوں کے خوف سے مستور کر دیئے گئے۔ اس امام کی نسل سے روز قیامت تک یکے بعد دیگرے امام ہوتے رہیں گے۔ اِن کا آخری امام قائم القیامۃ ہوگا جس سے دورِ کشف کی ابتدا ہوگی۔ یہ سب ائمہ اولوالامر کہلاتے ہیں۔ جن کی اطاعت بندگان خُدا پر فرض ہے

(ص ۲۶۸ ج ۳ بنو فاطمین مصر)

آگے لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن سبا کے پیرو سبائیہ کہلاتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ

امام عارضی طور پر غائب ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ ایک روز ظاہر ہوگا۔ ابتدا میں اماموں کی تعداد چار تک محدود رکھی گئی۔ اور سبط لا یذوق الموت (نواسہ جو موت کا مزہ نہ چکھے گا) سے مراد محمد بن حنفیہ ہیں جو شیعوں کے پہلے امام ہیں جو مہدی کے نام سے مشہور ہوئے۔ انکے ماننے والے کیسانیہ کا دعویٰ ہے کہ وہ عارضی طور پر غائب ہوگئے۔ مگر روز قیامت ظاہر ہوں گے۔

اب ہم تھوڑا سا نمونہ ان علوم کا دکھانا چاہتے ہیں جو عجمیوں نے اسلام کا مذاق اُڑانے اور اُسے بدنام کرنے کے لئے بڑی محنت سے تیار کیا تھا۔ اور اُسے حضرت علیؓ کی باطنی شریعت کا نام دیا تھا۔

باطنی علوم ڈاکٹر صاحب بتلاتے ہیں کہ اسماعیلیوں نے اپنے باطنی علوم کو باکل فقہ سامنے رکھ کر تیار کیا تھا۔ اور بڑی ہوشیاری سے اسے توڑ مروڑ کر مسخ کیا تھا۔ انہوں نے اپنے علوم کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔

۱۔ فقہ ۲۔ تاویل ۳۔ مذہبی فلسفہ یا حقائق

اِن تینوں حصوں کی تعریف اُنہی کی زبانی سُنیئے،

علم فقہ ڈاکٹر صاحب بتلاتے ہیں کہ اسماعیلیوں کی فقہ میں قیاس اور رائے کو بالکل دخل نہیں ہے۔ اس میں اجتہاد گمراہی کہلاتا ہے (یعنی مذہبی امور میں عقل استعمال کرنا منع ہے) اور ہر شرعی حکم نص قطعی کا محتاج ہے (مگر باطنی مذہب میں یہ نص یا دلیل قرآن سے نہیں ملتی) امام کے حکم کو نص کہا جاتا ہے۔ کیونکہ امام کا حکم خدا کا حکم سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ امام کو خدا سمجھا جاتا ہے۔ اس علم کی مستند کتاب دعائم الاسلام ہے۔

علم تاویل جسے عرف عام میں علم باطنی بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں جو اسرار بعیدہ ہیں وہ عوام کو نہیں بتلائے جاتے۔ ان علوم پر مستند کتابیں، اساس التاویل اور سرائر النطقاء وغیرہ ہیں۔

اس علم نے اسلام پر گہرے اور دور رس اثرات چھوڑے ہیں۔ بلکہ کہنا چاہئے کہ اس علم کے ذریعہ مسلمانوں کا اندازِ فکر ہی بدل دیا گیا ہے۔ اور رسولِ عربی

کے اسلام کو ہمیشہ کے لئے سلا دیا گیا تھا۔ تاکہ وہ فعال دین با تحریک بن کر پھر کبھی نہ اُبھر سکے ڈاکٹر اقبال نے بھی اس بات کو محسوس کر کے کہا تھا

زندہ قومے بود از تاویل مرد ـــ آتش او در ضمیر او فسرد

یعنی مسلمان ایک زندہ قوم تھے اُنہیں تاویل کے میٹھے زہر سے مار ڈالا گیا۔ اور ایمان کی جو آگ ان کے دلوں میں روشن کی گئی تھی اسے سرد کر دیا گیا۔

تاویل کا یہ حربہ اس قدر موثر اور مفید ہے کہ دوست اور دشمن دونوں اس سے چمٹے ہوئے ہیں اور قعر مذلت میں غوطے لگا رہے ہیں۔ اگر شیعہ مجتہد، ذاکر یا کوئی شوقین علامہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے آیات قرآن کی غلط تاویل کر کے روپیہ کماتا ہے تو سُنی مُلا مولوی خواں، مجاور یا مشائخ بھی اسی تاویل کی الٹ پھیر سے اپنا آزوقہ حاصل کرتا ہے اور سب کے سب اپنے اپنے فرقے کو گمراہ رکھنے میں ہی اپنی عافیت سمجھتے ہیں۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ علم تاویل کو ذرا تفصیل سے پیش کیا جائے۔ کیونکہ یہی وہ علم ہے جو اسلام کو تباہ کرنے کے لئے بڑی محنت سے تیار کیا گیا تھا چنانچہ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔

شیعوں کے تمام فرقے تاویل کے قائل ہیں۔ ان کے یہاں آیت لا یعلم تاویلہ الا اللہ ـ والرّاسخون فی العلم یقولون اٰمنا بہ میں اِلّا اللہ پر وقف کرنا درست نہیں تاکہ اللہ کے ساتھ وہ علما بھی جو علم باطنی میں راسخ ہوں تاویل کو جاننے اور سمجھنے والے شمار کئے جا سکیں، حالانکہ آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے کہ ان باتوں کی تاویل کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔ اور جو لوگ صاحب علم ہیں وہ اعتراف کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔

یہ اثرات ہماری تمام مروجہ تفاسیر و تراجم میں جگہ جگہ موجود نظر آتے ہیں۔ مگر ہم زبان نہیں کھول سکتے۔ سورتوں اور آیتوں کی شان نزول ملاحظہ فرمایئے صاف معلوم ہو جائے گا کہ سیدھی سادی اور صاف بات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر مولوی صاحب کا اصرار ہے کہ جو کچھ اگلے لکھ گئے ہیں وہی صحیح ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ قرآن کا اصل مفہوم سمجھنے سے قاصر ہیں۔ کیونکہ شیعہ انہی آیات سے کچھ مفہوم نکالتے ہیں بریلوی کچھ اور دیو بندی کچھ

اور سب کو ناز ہے کہ وہی قرآن کے وارث ہیں۔ حالانکہ ایسی شرارتیں کرنے والے اور قرآن کے معنیٰ بدلنے والے اسماعیلی داعی تھے جنہوں نے احکام، عبادت، قصص الانبیاء اور تاویلاتِ قرآن پر مستقل اور ضخیم کتابیں لکھی ہیں۔ اور صُوفیا و شیعہ گروہوں نے اِن سے فائدہ اُٹھایا ہے اور آج بھی اُٹھا رہے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب کو اعتراف ہے کہ یہ کام خاص مقصد سے کیا گیا تھا فرماتے ہیں۔

تاویل کا مقصد

علمِ تاویل کا مقصد اُمت میں اختلاف پیدا کرنا تھا۔ اِسی وجہ سے تاویل کے اصول اور طریقے منضبط کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ تاویل میں یکسانیت ضروری نہیں۔ مختلف داعی مختلف تاویلیں کر سکتے ہیں۔ بلکہ ایک ہی داعی شریعت کے ایک ہی حُکم کی مختلف وجوہ سے مختلف تاویلیں کر سکتا ہے۔

اِس کے جواز میں ان کے پاس امام جعفر کا یہ قول ہے کہ تاویل سات سے ستر تک ہو سکتی ہیں۔ یعنی سُننے والے کی لیاقت، وقت کی نزاکت اور موقع و محل کے لحاظ سے تاویلیں بدلی جا سکتی ہیں۔" (ص ۱۹۳ ج ۲)

شیعہ مذہب میں اِس کو تقیہ بھی کہا جاتا ہے۔ اور تقیہ باطنی مذہب میں دس حصّوں میں سے نو حصّے ہے جب کہ باقی تمام علوم و اعمال صرف ایک حصّہ میں سما جاتے ہیں جسے ہم عرفِ عام میں جھوٹ بولنا کہتے ہیں۔ مگر باطنی مذہب میں مختلف وجوہ سے جھوٹ بولنا کارِ ثواب ہے۔ یعنی کبھی جان بچانے کے لئے، کبھی دُھوکہ دینے کے لئے، اور کبھی دُوسروں کو گمراہ کرنے کے لئے مختلف تاویلات کرنا بھی جزوِ دین ہے۔ اور یہ بڑے اہتمام کے ساتھ تیار کیا ہوا علم ہے جس کے اُصول، شرائط مقرر کر دیئے گئے ہیں۔

تاویل کی شرائط

ڈاکٹر صاحب بتلاتے ہیں "تاویل جیسے اہم علم کو بے قاعدہ و بے اُصول نہیں چھوڑا گیا تھا۔ اِسکی شرائط بھی مقرر کر دی گئی تھیں مثلاً

۱۔ تاویل کی حدود سے متجاوز نہ ہوں یعنی جس طرح سُنا ہے اِسی طرح سُنائیں۔ اِس میں ردّ و بدل نہ کریں۔ ورنہ دین میں خلل آ جائے گا۔

۲۔ تاویل کرنے سے پہلے رمز و اشارے سے کام لیں اور دیکھ لیں کہ سُننے والے اِسے

قبول کرنے کے متحمل ہوں گے اور کوئی فساد برپا نہ ہوگا۔ اسے حدالرضا کہا جاتا ہے۔

۳۔ اِس بات کا خیال رہے کہ سُننے والا معرفتِ باطنی کو سمجھ کر ظاہری شریعت کو مُعطل نہ کر دے یعنی حلال کو حرام یا حرام کو حلال نہ سمجھ بیٹھے یا ظاہر اپنے اصل کو ساقط نہ کر بیٹھے۔ جیسے بعض لوگوں نے سُنا کہ جنّت سے دعوتِ باطنی مُراد ہے اور ظاہر و تقلید سے جہنم مُراد ہے تو اُنہوں نے سمجھ لیا کہ جنّت اور دُوزخ یہی ہے اور اُن کے سوا کوئی اور جنّت یا دُوزخ نہیں ہے۔ یا بعض اولیا کو جب معلوم ہوا کہ اعمالِ شریعت صِرف دعوت کے حدود ہیں تو اُنہوں نے حدود کو مان لیا اور ظاہری اعمال کو ترک کر دیا یا دُوسری صدی کے نصف اول کے دُو بڑے داعی مغیرہ اور ابوخطاب جب اِس راز سے واقف ہوئے کہ شراب کا باطن فلاں حد ہے تو اُنہوں نے اِس حد سے پرہیز کر کے شراب کو حلال سمجھ لیا۔

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ قاضی ابوحنیفہ نعمانؒ بن محمدؒ نے اِس خطرے سے داعیوں کو بہت ڈرایا ہے۔ اپنی کتاب کے آخر میں تاکید کی ہے کہ باطن کی معرفت کے ساتھ ظاہری عمل بھی ضروری ہے۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ اُنہیں تضادِ احکام کی وجہ سے فاطمین کے عہد میں مختلف فرقے پیدا ہو گئے" (ص ۱۹۴ ج ۲)

علمِ تاویل کے چند نمونے

ڈاکٹر صاحب بتلاتے ہیں کہ اِس سلسلے میں باطنیوں نے بڑی سر توڑ کوشش کی ہے اُنہوں نے عَرَبی زبان کی ساری لغت ہی بدل کر رکھ دی۔ ہر لفظ کے مجازی معنیٰ پیدا کر دیئے۔ جس سے صُوفیوں نے بڑا فائدہ اٹھایا۔ اور باطنی مذہب کو پھیلانے میں اِس علم کو

لہ واضح رہے کہ یہ ابو حنیفہ ہمارے کوئی امام ابو حنیفہ نہیں ہیں جنہوں نے حنفی فقہ تیار کی تھی یہ قاضی ابو حنیفہ پہلے مالکی سُنّی تھے۔ پھر باطنی داعی بن گئے۔ اور علومِ باطنی پر متعدد کتابیں لکھ ڈالیں۔ کون جانے بعد کو آنے والوں نے دُونوں کی تعلیمات کو غلط ملط کر کے کیا کیا گمراہیاں اختیار کی ہوں جو ہمیں ورثے میں ملتی چلی آ گئی ہیں۔

خوب استعمال کیا۔ انہوں نے اپنی کتاب میں تفصیل سے ایسے الفاظ جو شرع محمدیؐ میں عام طور پر مستعمل ہیں پیش کئے ہیں۔ جیسے

۱۔ وضو سے مُراد ظاہری شریعت میں مُنہ ہاتھ دھونا اور نماز کی تیاری کرنا ہے مگر باطنی مذہب میں جسے حضرت علیؓ کی شریعت کہا جاتا ہے، وضو کے معنی گناہوں سے نفس کو پاک کرنا۔ دعوت کے اضداد (یعنی مخالفوں) سے برات کرنا (تبرّا بھیجنا) اور حضرت علیؓ کی امامت کا اقرار کرنا ہے۔ کیونکہ وضو اور علیؓ میں تین حرف ہیں (اسی وجہ سے اکثر اولیا بلا وضو نماز پڑھتے تھے)

۲۔ شریعت محمدیؐ میں نماز اسلامی عبادت کا نام ہے جس میں بندہ اپنے پیدا کرنے والے کی بڑائی اور عظمت کا اقرار کرتا ہے اور اپنی سپردگی و لاچارگی ظاہر کرتا ہے۔ اور امداد کا طالب ہوتا ہے۔

مگر شریعت باطنی میں نماز سے مُراد داعی کی دعوت میں داخل ہونا یعنی امام یا اُس کے نائب کی مجلس میں جانا، جماعت خانے یا امام باڑے میں۔ اور اُس کے احکامات و نصائح سُننا۔ ساتھ ہی رسُول خدا کا بھی اقرار کرنا کیونکہ صلوٰۃ اور محمدؐ میں چار چار حرف ہیں۔ مگر اتباع صرف امام وقت کی کرنا یعنی جو مجلس کا خطیب ہو یا جماعت خانے کا امام ہو

۳۔ رمضان کے روزے ظاہری شریعت میں تزکیہ نفس اور تحمل و برداشت پیدا کرنے کیلئے بندوں کو سکھائے گئے "تاکہ بھوک پیاس کی تکلیفوں کا احساس ہو اور انسان میں دُوسروں کے دُکھ درد کو محسوس کرنے کی صلاحیت پیدا ہو۔

مگر اہل بیت کی شریعت میں اس کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ شریعت کا باطنی علم اہل ظاہر یعنی سُنّیوں سے چھُپایا جائے مطلب یہ کہ روزہ رکھنے کی ضرورت نہیں۔ صرف روزہ داروں کی سی صُورت بنا لو۔

۴۔ حج ظاہری شریعت میں زیارت بیت اللہ ہے۔ باطنی شریعت میں اس سے مُراد امام کی طرف توجہ کرنا ہے۔ یعنی جب آغاخان صاحب کا دھیان کرلیا یا امام مذہب میں جب صاحب عصر امام مہدی کا خیال کیا حج کا ثواب مل گیا۔

اسی طرح باطنی تاویلات میں ڈاکٹر صاحب بتلاتے ہیں کہ کعبہ سے مُراد حضرت محمد رسُول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ باب کعبہ حضرت علیؓ ہیں۔ اور حجر اسود سے مُراد امام الزمان کی وہ حجت ہے جو اُن کے بعد یا اُن کی قائم مقام ہوگی یہ بھی خوجوں کے لئے آغاخان۔ بوہروں کے لئے سیّدنا سیف الدین اور بارہ اماميوں کے لئے کوئی بھی مجتہد جو شہر میں موجود ہو۔

ڈاکٹر صاحب نے بہت سے الفاظ کے باطنی معنیٰ اور فقہی اصطلاحات کے مجازی مطالب درج کئے ہیں جن کا نقل کرنا طوالت ہے۔ ہمیں تو یہ دکھانا مقصود ہے کہ باطنی داعیوں نے ہماری عربی لغات کو باطنی و مجازی معنوں سے بھر دیا ہے۔ تمام تحریری کام جو ابتدائی دور میں ہوا ہے اُنہی عجمیوں اور باطنیوں کا رہین منت ہے تفسیر ہو یا تاریخ یا کوئی اور شعبۂ علم۔ حتیٰ کہ عربی زبان کی صرف و نحو بھی اُنہی لوگوں نے تیار کی ہے۔ اور حدیثوں کے انبار لگا کر انہیں اسلامی بنا یا ہے۔ محض اس لئے کہ مسلمانوں کی وحدت فکر میں انتشار پیدا ہو جائے۔

علم فلسفہ فلسفہ کے بارے میں عام خیال ہے کہ جب کسی قوم پر زوال آتا ہے تو اس میں جسمانی کمزوریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور دماغی طور پر ترقی کرنے لگتی ہے یعنی ان کی زندگی میں عمل کی بجائے صرف سوچنا اور غور کرنا باقی رہ جاتا ہے۔ چنانچہ یونان اور روما کے بارے میں معلوم ہے کہ فلسفہ نے انہیں بزدل بنا دیا اور اس طرح تباہ کیا کہ اب اُن کی بہادری کے قصے رہ گئے ہیں۔ محض ناچنے گانے والوں کی قوم کی طرح ہمارے سامنے موجود ہیں۔ چنانچہ اسی نمونے کو سامنے رکھکر مسلمانوں کو فلسفہ سے روشناس کرنے کی ضرورت پڑی اور باطنیوں نے یہ کام بڑے اہتمام سے انجام دیا۔ ڈاکٹر صاحب بتلاتے ہیں۔

علوم باطنی کی تیسری شاخ مذہبی فلسفہ ہے۔ اس علم پر سب سے مستند کتاب اخوان الصفا ہے۔ اس کا ماخذ وہ غیر اسلامی علوم تھے جو خلفاء عباسیہ کے دور میں یونانی ہندی اور فارسی زبانوں سے ترجمہ ہو کر عربی ادب کو مالا مال کرنے کا باعث

بتلائے جاتے ہیں۔ لیکن دراصل وہی اسلام کو کمزور کرنے کا باعث بنے۔

باطنیوں نے ہندی، یونانی اور رومی دیومالاؤں سے کام لیکر اسلامی روایات کے انبار تیار کئے۔ دیوتاؤں کی جگہ پیغمبروں کے نام ڈالے اور انہیں اسلامی بنا دیا تو عجمی نومسلموں کے لئے وہ کافی پرکشش بن گئے۔ کیونکہ یہ باتیں وہ اپنے باپ دادا سے سنتے چلے آئے تھے اور یہ ان کے مشرکانہ عقائد سے زیادہ ہم آہنگ تھیں مثلاً جو لوگ سنتے آئے تھے کہ ان کے اسلاف لعل دیوتا کو پوجتے تھے اور اُسے لعلنا یا لعلی پکارتے تھے۔ جب اُن سے کہا گیا کہ ہمارا نیا دیوتا علی ہے اور اسے یا علی پکارنا چاہیئے، تو انہیں اللہ اکبر چھوڑ کر یا علی اختیار کرنے میں کوئی پس و پیش نہ ہوا۔ اور وہ فوراً یا علی یا علی پکارنے لگے۔

شخصِ بشری کا ظہور

یا پیدائش آدم کا اسلامی تصور کہ انسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور اس میں روح پھونکی گئی ہے۔ عجمیوں کے لئے ناقابلِ فہم تھا۔ وہ اسے باور کرنے میں پس و پیش کرتے تھے، باطنیوں نے یونانی فلسفے سے تخلیقِ انسان کا پرانا نظریہ پیش کیا تو اس سے نہ صرف عجمی خوش ہو گئے بلکہ عام مسلمان بھی شک و شبہ میں پڑ گئے۔ جیسے ہمارے زمانے میں ڈارون کی اسی شرارت سے اہلِ یورپ اپنے مذہب سے برگشتہ ہو کر رسوائی سے دوچار ہیں

اخوان الصفا میں آدم کی پیدائش اس طرح بیان کی گئی ہے۔

تقریباً پچاس ہزار سال میں انسان وجود میں آیا۔ مختلف معادن، نباتات، حیوانات کے بخارات اُوپر چڑھ کر ابر بنے۔ پھر پانی بن کر زمین پر برسنے سے زمین میں گڑھے پڑ گئے۔ جن کی تشبیہ عورت کے رحم سے دی گئی ہے۔ بخارات سے پانی ان گڑھوں میں ٹھہرا، جس طرح رحم میں عورت کا مادہ ٹھہرتا ہے۔ پھر دوسرے بخارات اٹھے اور برسے جو زیادہ لطیف تھے۔ یہ مرد کے مادے سے مشابہ تھے۔ اُن دونوں قسموں کے پانی کے ملنے سے نو مہینے کے بعد ان گڑھوں میں کچھ چیزیں بن گئیں ہر گڑھے میں ایک نر بچہ پیدا ہوا جو طاقت اور قوت میں ایک معمولی بچے سے چار گنا زیادہ

تھا کیونکہ اُس کے ماں باپ زمین آسمان تھے۔ نر بچوں کے پیدا ہونے کے بعد جو مادہ گڑھوں میں رہ گیا۔ اس سے مادہ بچے پیدا ہوئے۔ اِن کی ابتدائی پرورش گڑھوں میں ہوئی۔ جب یہ گڑھوں سے نکلے تو ان پھلوں کو کھانے لگے جن کے درخت قدرت نے وہاں اُگائے تھے۔ اس طرح کے بشری افراد دنیا کے تمام جزیروں میں پیدا ہوئے مگر بہترین مقام سراندیپ (لنکا) میں ظاہر ہوئے۔" (ص ۲۱۲ ج ۲)

باطنی حقائق

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔" اسماعیلیوں اور شیعوں کی کتابوں میں علم حقیقت پر سب سے اہم اور مستند کتاب اخوان الصفا کے آخری رسالے میں تاویل و حقائق کے بنیادی مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں کتابت سریہ یعنی مخفی تحریر استعمال کی گئی ہے۔ اور حروف کی جگہ علامتیں لکھی گئی ہیں۔ تاکہ غیر باطنی اسے معلوم نہ کر سکیں۔ (ص ۱۸۵ ج ۲)

حضرت آدم ؑ کی ولایت

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں "آدم سے پہلے دورِ فترت تھا (فترت فتور سے ہے یعنی کمزوری کا زمانہ) اُس زمانے کے امام مستقر یعنی خدا نے دیکھا کہ لوگ اُس کی اطاعت سے پھرتے چلے جاتے ہیں اور اُن میں یہ صلاحیت نہیں کہ عام طور پر علم باطنی کی تعلیم دی جائے تو اُس نے دورِ ستر کا اعلان کر دیا خود بھی چھپا اور علم باطن کو بھی عام لوگوں سے چھپا دیا۔ اور اپنی دعوت کے حدود میں سے ایک حد (آدم) کو اپنا نائب مقرر کر دیا اور حکم دیا کہ وہ ظاہری شریعت کی طرف لوگوں کو دعوت دے۔ لیکن علم باطن سوائے مستحقین کے کسی کو نہ بتائے۔ یہی تعبیر حضرت آدم کی پیدائش کی ہے۔ مگر اُن کے ایک دشمن نے جس کا نام شیطان تھا انہیں ترغیب دی کہ وہ علم ظاہر کے ساتھ ساتھ علم باطن بھی کھلم کھلا لوگوں کو بتائیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو اُن کی دعوت میں لوگ کثرت سے داخل ہوں گے۔ آدم اِس دھوکے میں آ گئے اور علم باطن کے چند نکتے علانیہ طور پر عوام میں ظاہر کر دیئے۔ اسی جرم کی سزا میں وہ اپنی جنت یعنی دعوت سے نکال دیئے گئے۔ اور صرف ظاہری دعوت کے صدر مقرر رہنے دیئے گئے۔" (ص ۲۱۳ ج ۲)

گویا باطنی شریعت کے اسرار و رموز ایسے نہ تھے جو ہر کس و ناکس کو بتائے جا سکتے

اِس لئے حکم تھا کہ اِن کو پوشیدہ رکھا جائے۔ آپ نے بھی سُنا ہوگا کہ بزرگانِ دِین کی مجلسوں میں حق سرہٗ کا غلغلہ رہتا تھا۔ جس کے معنی ہیں کہ اس کا راز سچا ہے اور وہ بھید صرف یہ ہوتا کہ بزرگوار باطنی شریعت کے مبلغ تھے۔ مجبُوراً یا مصلحتاً خود کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں اور ظاہری شریعت کی پابندی بھی کر لیتے ہیں۔ مرنے کے بعد اُن کو قدس سرہٗ کا خطاب ملتا تھا۔ یعنی پاک ہوگیا اُن کا بھید۔ سر کے معنیٰ راز یا بھید کے ہیں۔ افسوس حضرت آدمؑ اتنی سی بات نہ چھپا سکے اور قدس سرہٗ نہ بن سکے۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے رسُول مقبولؐ، اُن کے اصحابؓ اُن کی ازواجؓ انکے خلفاء کرام کوئی بھی قدس سرہٗ نہیں اور کیسے ہوتے۔ اُن کے پاس چھپانے والے علوم کہاں تھے۔ اُن کو تو حکم تھا۔

بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ

یعنی تمہیں جو کچھ بتایا گیا ہے سب کو بتلادو،

یا بقول علامہ اقبال

درجہاں اسرارِ دیں را فاش کن

نکتۂ شرعِ مُبیں را فاش کن،

پس عجمی پیرانِ طریقت یقیناً حضرت آدمؑ سے زیادہ ہوشیار تھے۔ وہ اپنا بھید ظاہر نہ ہونے دیتے، ساری تبلیغ خفیہ رکھتے۔ جب ہی تو اُن سے مُسلمان بھی خوش تھے، ہِندُو بھی خوش اور شیعہ صاحبان بھی خوش رہتے تھے۔

دُوسرا باب

تمدن، تصوف، شریعت، کلام · تبانِ عجم کے پجاری تمام،
حقیقت خُرافات میں کھو گئی · یہ اُمت روایات میں کھو گئی

باطنیّت کا سیلابْ

اوراقِ گزشتہ کے مُطالعہ سے غالباً یہ حقیقت کُھل کر سامنے آگئی ہوگی کہ باطنیت کا فتنہ سوچی سمجھی اسکیم کے تحت عجمی علاقوں میں پروان پڑھا۔ اور یہ کوئی مذہبی تحریک نہ تھی۔ بلکہ سیاسی اغراض سے ایران، عراق، خراسان، بلخ و بخارا کے مجُوسیوں اور یہُودیوں نے اپنی شکست کا بدلہ لینے اور عربوں کی بالادستی ختم کرنے کے لئے ایک نئے مذہب کی داغ بیل ڈالی تھی جو اسلام کے مُقابل کھڑا کیا جا سکے۔ اِس سلسلے میں حسبِ ذیل مساعی قابلِ غور ہیں۔

پہلی کوشش ۲۴ھ

اِسلام اور اِسلامی حکومت کے قیام پر بیس سال بھی نہ گزرے تھے کہ عجمی غلاموں کی ایک ٹولی نے منظم سازش کے تحت مسجد نبوی میں گھُس کر خلیفۃ المُسلمین سیّدنا عُمر فاروقؓ جیسے باجروت امیر اور حاکم کو دن دہاڑے شہید کر دیا۔ اِس کارنامے پر شیعہ دُنیا آج بھی ناز کرتی ہے ایران کے شہر قم میں فاروق اعظم کے قاتل فیروز عرف ابو لولو کی یادگار قائم ہے جسے بابا شجاع کا مقبرہ کہتے ہیں۔ زائرین اسے کربلا و نجف سے زیادہ افضل مقام زیارت سمجھتے ہیں۔ دُور دراز سے نذرانۂ عقیدت پیش کرنے جاتے ہیں۔ اِسکی یاد تازہ رکھنے کے لئے فیروزے کی انگوٹھی پہنتے ہیں۔

دُوسری کوشش ۳۵ھ

پندرہ سال بعد میں ہزار عجمی موالی، عبداللہ بن سبا یہودی اور مالک اشتر مجوسی کی قیادت میں دار الخلافہ اسلام پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ خلیفہ معصوم و مظلوم کے گھر کا محاصرہ کر کے ناکہ بندی کر دیتے ہیں۔ اس کام کے لیے وقت کا انتخاب بھی سوچ سمجھ کر کیا گیا تھا۔ جب عمائدین شہر اور شرفاء اسلام حج کو گئے ہوئے تھے۔ اور زعماء اسلام دُور دراز ملکوں میں مصروف جہاد تھے۔ شہر میں چند شیوخ (عمر رسیدہ بزرگ) عورتوں بچوں اور ان کے ہزاروں لونڈی غلاموں کی نگرانی کے لیے رہ گئے تھے جو تلوار سنبھالنے سے عاری تھے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب خلیفہ اسلام پر پانی کی بندش کی خبر ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو اپنے بڑھاپے اور اپنے مرتبے کا لحاظ ترک کر کے گھر سے نکل پڑیں اور ایک مشکیزہ پانی کا خچر پر رکھ کر خلیفہ کے گھر تشریف لائیں۔ لیکن دشمن اسلام مجوسیوں کی جسارت دیکھئے کہ وہ مشکیزہ تیر سے چھید کر پانی بہا دیا اور خلیفہ تک نہ پہنچنے دیا۔ حضرت علی جیسے فاتح خیبر بھی بیٹھے دیکھتے رہے۔ دم نہ مار سکے۔ کیونکہ شہر دشمنان اسلام کی یلغار میں تھا۔

اب باغیوں کو فکر ہوئی کہ جو کچھ کرنا ہے جلد کیا جائے ورنہ ممکن تھا کہ خواہین مدینہ ہتھیار سنبھال کر اٹھ کھڑی ہوں۔ چنانچہ چند درندوں کو جن میں حضرت علی کا سوتیلا بیٹا محمد بن ابوبکر اور غلام جون ایلیا بھی شامل تھے بھیجا گیا اور وہ ستر سالہ خلیفہ مظلوم کو بے بسی اور بے کسی کے عالم میں شہید کر کے چلے آئے۔

تیسرے دن انہیں باغیوں نے اپنی پسند کا خلیفہ مسند خلافت پر بٹھا دیا۔ لیکن اب مصیبت یہ آن پڑی کہ نہ تو اس خلیفہ کو چھوڑ کر جا سکتے تھے۔ نہ اس کے سایہ عاطفت میں خود وہاں ٹھہر سکتے تھے۔ کیونکہ معلوم تھا کہ مسلمان حج سے واپس آئیں گے تو خلیفہ اور خلیفہ گروں سے محاسبہ کریں گے۔ پس طے پایا کہ خلیفہ کے ساتھ دار الخلافہ بھی عرب سے عجم میں منتقل کر دیا جائے۔ چنانچہ بھاگے اور حضرت علی کو ساتھ لیتے گئے اب کوفہ جو سرزمین عراق یعنی عجم میں ایک معمولی چھاؤنی تھا۔ اسلامی دنیا کا

نیا صدر مقام بنا۔ لیکن شاید مسلمانوں کو معلوم نہیں کہ یہ وہی مقام تھا جہاں تہذیب بابل و نینوا کے آثار دفن تھے۔ اور آج بھی وہاں نمرود و شداد کے محلات کے کھنڈر موجود ہیں جس کی جانب علامہ رشید ترابی بڑے خوبصورت الفاظ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ؎

ہم نے باب العلم کو بابل و نینوا کی میراث سونپ دی۔

افسوس کہ یہ سب کچھ ایسے وقت ہوا جب گورنر شام سیدنا امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما مسلمانوں کو رومیوں پر دوڑنے اور سارے یورپ کو حلقہ گوش اسلام کر لینے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ حضرت علیؓ کے اس طرح دشمنوں کے ہاتھوں میں پھنس جانے اور ان کے حسب مرضی احکام جاری کرتے رہنے سے وہ سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔ اس پر طرفہ یہ کہ باغی حضرت علی کو حکم دے رہے تھے کہ معاویہ کو برطرف کر کے ان کا آدمی مقرر کریں۔

اس صورت حال سے اسلامی فتوحات کو ایسا دھچکا لگا کہ پھر وہ جاری نہ رہ سکیں اسلام صرف ایشیا و افریقہ میں محصور ہو کر رہ گیا۔ جبھی تو مجوسی اور اہل یورپ حضرت علیؓ کے بے حد مداح ہیں کہ انہوں نے اسلام کو خانہ جنگی میں مبتلا کر کے یورپ کو اسلامی یلغار سے بچا لیا۔ اور مجوسوں کو پھر ایک بار جلوہ ریزی روح ایران کا موقع فراہم کر دیا۔ جس کے صلے میں انہوں نے اپنے لعل دیوتا کو لعنا و لعلی پکارنا چھوڑ کر یا علیؓ پکارنا قبول کر لیا۔ اور حضرت علی کو خدائی درجے پر فائز کر کے مولا و مولینا بنا دیا۔

مگر بقول فلپس حتی یہ آؤ بھگت حضرت علی کی زندگی میں نہ ہوئی۔ ان کے مرنے کے بعد انہیں سب کچھ بنا یا گیا ہے۔ زندگی میں ان کا مرتبہ ایک ایسے شیر سے زیادہ نہ تھا جو دیکھنے میں خوفناک ہو مگر سدھانے والوں کے سامنے بے بسی سے قلابازیاں کھاتا ہو۔ چنانچہ انہی شیعان علی اور خوارج نے (جو جنگ جمل اور صفین میں آگے آگے تھے اور قتل عثمانؓ کے ہیرو شمار ہوتے تھے) موقعہ ملتے ہی اپنے مولا علی کا سر پھاڑنے سے دریغ نہ کیا۔ یہ غداری مکاری اور محسن کشی عجمی خون میں اپنی مادری تہذیب

کی وجہ سے ہے [1]

تیسری کوشش ۶۰ھ

خلیفۃ الراشد و خال المؤمنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اگلے بیس سال تک عجمی آل نمرود کو دم مارنے کا موقعہ نہ دیا۔ مگر یہ اندر ہی اندر اپنی تحریک کو مضبوط کرتے رہے۔ اور اُن کے مرتے ہی میدان میں آگئے۔ اُنہوں نے اپنے مطلب کے حصُول کے لئے باون سالہ حضرت حسینؓ کو اپنے دامِ تزویر میں پھانس لیا۔ اُن کے پاس اپنے نمائندے بھیجے اور کئی سو خطوط لکھے جن میں یقین دلایا کہ پچاس ہزار کوفی جانباز آپ کے جھنڈے تلے جمع ہو کر جان کی بازی لگا دینے کے لئے بے چین ہیں۔ صرف آپ کی امامت یا رہنمائی کی ضرورت ہے۔ آپ آئیے اور کمان سنبھال لیجئے، تو ہم خلافت بنو اُمیّہ سے چھین کر آپ کے قدموں میں ڈال دیں۔ اِس وقت موقعہ غنیمت ہے۔ باغ شاداب ہے

---

[1] آریائی نسل قوموں کا عقیدہ ہے کہ نسل ماں سے چلتی ہے، جیسے گائے، بیل، اونٹ، گھوڑے، کتے بلی میں یہ نہیں پُوچھا جاتا کہ باپ کون ہے۔ فلاں کی گائے یا بکری کا بچہ کہہ دینا کافی ہوتا ہے خاصکر فچروں میں تو خصوصیت کے ساتھ صرف ماں ہی کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ پس اُن کی منطق ہے کہ انسان میں پدری نسب کی کیا ضرورت ہے۔ چنانچہ تخت برطانیہ کا وارث ملکہ سے حاصل ہوتا ہے اور یہ نہیں دیکھا جاتا کہ باپ جرمن تھا یا فرانسیسی۔ مگر سامی نسل میں باپ کو بڑی اہمیت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پدری تہذیب کے علمبردار تھے۔ وہ آریوں سے جُدا ہو کر شام میں جا بسے۔ اُن کی اولادیں عرب اور یہود دونوں اپنے پدری نسب پر ناز کرتے تھے بلکہ عرب تو اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کا نسب بے داغ رکھتے تھے۔ سامی اور آریائی نسلوں کا یہ فرق پانچ ہزار سال پرانا ہے۔ آلِ ابراہیم زہد و ورع، پاکیزگی اور رُوحانیت کا پرچار کرتے ہیں۔ اور آلِ نمرود مادہ پرستی عیاشی اور عیش کوشی میں مست ہیں۔ آریئے اپنی نسلی برتری کے زعم میں اخلاقی اقدار کی پرواہ نہیں کرتے۔ وہ اپنی عورتوں کو عام اجازت دیتے ہیں کہ نیا خُون حاصِل کریں اور تندرُست بچے پیدا کریں۔ ہٹلر نے بھی اسی طرح آبادی بڑھائی تھی۔

فصل تیار ہے، پھل پک چکے ہیں، ہاتھ بڑھایئے اور توڑ لیجئے اور یقین جانئے کہ ایسے موقعے بار بار نہیں آتے۔

اور حضرت حسین اپنے والد بزرگوار کی طرح مجُوسوں کے دھوکے میں آگئے۔ آپ مکّہ و مدینہ کو خیرباد کہہ کر میراث بابل ونینوا لینے چل پڑے۔ یعنی خادم الحرمین یا ناصر المسلمین سے مجُوسوں کا بادشاہ بننا افضل سمجھا۔ چنانچہ زندگی میں نہ سہی مرنے کے بعد وہ مرتبہ حاصل ہو گیا ؎

شاہ ہست حسین، شہنشاہ ہست حسین   حقا کہ بنائے لا الٰہ ہست حسین

معرکہ کربلا

یہ بحث ہمارے نفس مضمون سے خارج تھی مگر چونکہ ہمارے کسی بڑے دانشور نے نہ جانے عالم سرور میں یا کسی بڑے چندے کی لالچ میں شاعری فرمائی ہے۔

اِسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اِسکی تردید کرنا ضروری تھا کیونکہ یہ دانشور صاحب سیاست صحافت اور لغاوت میں ضرور بڑے ہوں گے۔ مگر اسلام اور اسلامی تاریخ کی دُم سے واقف نہ تھے۔ یہ اپنی خُداداد عقل اور انگریزی تربیت سے کام لیتے تو یہ مصرعہ کچھ اسطرح ہوتا۔

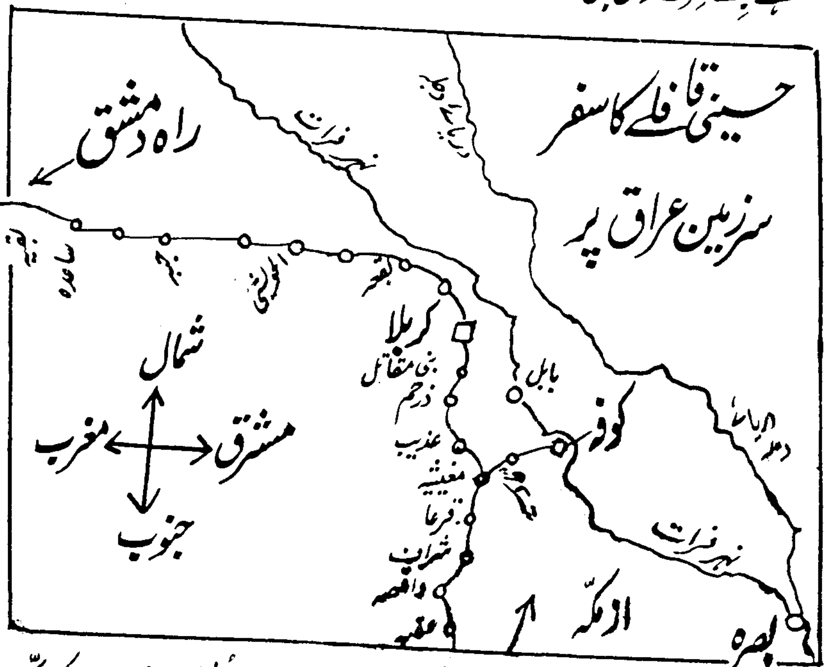
اِسلام مُردہ ہو گیا بس کربلا کے بعد

کیونکہ جتنا جھُوٹ کربلا کے ذریعہ اسلام میں شامل کیا گیا ہے وہ رسُول کریم کے وقت سے آج تک دُنیا نے نہ سُنا ہوگا۔ ان کے چند بڑے جھُوٹ سُنئے

۱۔ حضرت حسین ۹ ذی الحجہ کی شب کو مکّہ سے روانہ ہوئے۔ حالانکہ ہمارے جیسے بےدین کے دور میں بھی ہم بقرعید کی نماز چھوڑ کر سفر پر نہیں جاتے نہ کہ نواسہ رسُول حج کی سعادت کو ٹھکرا کر رات کو نکل کھڑا ہو حج نہ کرے، قربانی نہ کرے اور اسلام کا مذاق اُڑا دے۔

۲۔ آپ پچیس منزلیں طے کر کے قادسیہ پہنچے تھے یعنی ۵ محرّم ۶۱ھ کو کوفے سے صرف ایک منزل دُور تھے کہ پتہ چلا کر کوفی حضرت عقیل اور ان کے بچوں کی مخبری کر کے

قتل کروا چکے ہیں ۔ اور آپ کے ساتھ وہی سلوک کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں ۔ چنانچہ آپ نے قافلے کا رُخ جانب مغرب موڑ دیا ۔ اور دمشق کے راستے پر چار منزلیں طے کر کے کربلا پہنچے تھے کہ کوفیوں نے آپ کو جا لیا ۔ یہ بدھ کا دن تھا اور ۲ محرم ۶۱ھ کی دوپہر تھی ۔ اِس سے معلوم ہوا کہ دس دن تک پانی نہ ملنے اور عورتوں بچوں کا پیاس سے بلکنے اور العطش العطش کے نعرے لگانے کا سارا افسانہ محض خیالی اور فرضی جھوٹ ہے جسے صرف کوفی ہی گھڑ سکتے تھے ۔



افسوس مسلمانوں پر بارہ سو سال سے جہالت مسلط ہے ۔ اُنہوں نے نہ سوچا کہ مکّہ سے کوفہ جانے والا قافلہ جو جنوب سے شمال کی طرف جا رہا تھا وہ کوفے سے سو میل جانب مغرب کربلا کے مقام پر کیسے پہنچ گیا جو دمشق کی شاہ راہ پر واقع ہے ۔ علامہ محمود احمد عباسی نے ہزار سال بعد پہلی بار یہ سوال اٹھایا تو باطنیت کی بنیادیں ہل گئیں ، اور جھوٹ کی قلعی کھل گئی ۔

ظاہر ہے کہ اس عرصہ میں لکھنے پڑھنے کا تمام کام عجمیوں نے کیا ہے ۔ جن کے

تخیل کی بلند پروازی کا کوئی مدمقابل نہیں ہے ۔ چنانچہ شیخ سعدی کا بھی یہی دعویٰ ہے

ے سعدیا روزِ ازل حُسن بہ یوناں دادند — عقل و دانش ہمہ در مردم ایراں دادند
نازو انداز کہ دادند دادند بہ ہند — کبر و نخوت ہمہ در مردم افغاں دادند

مگر شاید ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ عقل و دانش کی فراوانی اِنسان کو بُزدل کینہ توز اور حاسد بنا دیتی ہے ۔ اور یہ اِسی قوم کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ کی مغضوب ہو

ے طاؤس و رباب آخر

۳ ۔ کوفیوں کو معلوم ہوا کہ حضرت حسینؓ عازم دمشق ہو گئے ہیں ۔ اور اپنے بھائی یزیدؒ سے صلح صفائی کر لیں گے تو گھبرا گئے ۔ اُن کا سارا منصوبہ خاک میں مِلا جا رہا تھا پس اُنہوں نے حُر بن یزید ریاحی کو چند جوانوں کے ساتھ بھیجا کہ حسینؓ کو واپس لائے یا کم سے کم وہ خطوط اُن سے چھین لے جو کوفیوں نے بھیجے تھے ۔ وہ خطوط امیر یزیدؒ کے ہاتھ پڑ جاتے تو کوفی مفسدوں کو بیخ و بن سے اُکھاڑ دیا جاتا ۔

حُر کے بارے میں شیعہ مؤرخوں اور ذاکروں نے عجیب متضاد روایات لکھ چھوڑی ہیں وہ ایک ہی سانس میں اسے گالیاں بھی دیتے ہیں ۔ اور اُس کی تعریف بھی کرتے ہیں چنانچہ حسب ذیل بیان دیکھئے تقیہ و تبرّا کی مشق ساتھ ساتھ کی گئی ہے اور یہی باطنی آرٹ ہے کہ سب کچھ کہہ جاؤ اور سمجھنے والے کو سمجھنے نہ دو ۔ فرماتے ہیں ۔

۱ ۔ حُر لعین سب سے پہلے مقابل فرزند رسول کے آیا ۔
۲ ۔ امام مظلوم کو مدینہ واپس نہ جانے دیا ۔
۳ ۔ دختران علی و فاطمہ کو رُلوایا ۔ محزون و مغموم کیا ۔
۴ ۔ حُر ملعون نے ادب و لحاظ فرزند حیدر کرار نہ کیا ۔
۵ ۔ امام مظلوم کو تین رات کربلا سے نکل جانے کی کوشش کے باوجود صبح اسی میدان میں واپس پہنچا دیا ۔
۶ ۔ آخر زج آکر جناب حسین نے فرمایا ۔ یا حُر تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے ۔

(ماخوذ از خزینۃ الابکار صفحہ ۲۱)

اور دُوسری طرف اسی حُر کی تعریف کی جاتی ہے اُسے حضرت حسینؓ کا خیرخواہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ مثلاً:

حُر بن یزید ریاحی بہ تائیدِ ایزدی ظُلمت کُفر و نفاق سے نجات پاکر نُورِ ہدایت سے مشرف ہوا اور حسینؓ کی خاطر اپنے جاں نثاروں کے ساتھ یزیدی فوج سے لڑکر مر گیا۔

ایضاً ــــ اِن حقائق کی روشنی میں اپنا قومی ادب ذرا اِین السطور پڑھئے تو معلوم ہو جائے گا کہ ؎

ذرا سی بات تھی اندیشۂ عجم نے اُسے
بڑھا دیا ہے فقط زیبِ داستاں کے لئے

یعنی حُر کوفی اپنے فوجی دستے کے ساتھ جناب حسین کے قافلے کا مُنہ موڑنے اور واپس لانے نکلا کربلا کے مقام پر اُس نے حسینی قافلے کو جا لیا اور واپس چلنے پر مجبور کرنا چاہا۔ آپ نے انکار کیا تو وہ خطوط طلب کئے جو چرمی تھیلوں میں محفوظ تھے خطوط دینے سے انکار ہوا تو غدار کوفی اپنے بغض کو قابو میں نہ رکھ سکے اور حملہ آور ہو گئے آلِ علی نے بے جگری سے مقابلہ کیا۔ مگر وہ صرف اٹھارہ تھے۔ ساٹھ کوفی جو آپ کو مکّے سے گھیر کر لائے تھے اب مخالف کیمپ میں تھے۔ یہ جنگ تھوڑی دیر میں ختم ہو گئی کوفی اپنا کام کرکے بھاگے تو دُو باتوں کا اطمینان کر چکے تھے۔ پہلی یہ کہ حسینی قافلے کا کوئی مرد زندہ نہ بچے۔ دُوسری یہ کہ خطوط نہ مِل سکیں۔ تو خیام مخدرات میں آگ لگا دی جائے تاکہ جہاں بھی ہوں جل کر راکھ ہو جائیں۔

اتفاق سے مقتولوں کے درمیان علی بن حسین جنہیں روافض عابد بیمار کہتے ہیں زندہ تھے۔ آپ مجروح ہو کر گر پڑے۔ اور مُردہ سمجھ کر چھوڑ دیئے گئے۔

اب زخمی اور مجروح زین العابدین اِس قافلے کو لیکر دمشق نہ جا سکتے تھے۔ بس طے ہوا کہ کوفے کی طرف واپس جائیں۔ اور مقامی حاکم سے سب حال کہیں۔ چنانچہ حضرت زینب کی سرکردگی میں یہ تباہ حال قافلہ کوفہ گیا۔ وہاں مکار کوفی آہ و زاری اور واویلا مچانے اور سر پر خاک اڑانے پذیرائی کیلئے پہنچے۔

مگر حضرت زینب نے اُن کو دُھتکار دیا۔ فرمایا یہ پہلا موقعہ نہیں ہے جب تُم نے

بنو ہاشم کے ساتھ دغابازی کی ہے۔ اِس سے پہلے تُم ہمارے باپ کو قتل کر چکے ہو۔ ہمارے بھائی حسن کو زخمی کر کے یہاں سے نکالا تھا۔ اور اب تُم نے حسین کو بلا کر ہمارے باپ کی نسل کشی کی ہے۔ ہم تمہاری مکاری سے واقف ہیں

یہ لوگ حاکم کوفہ حضرت ابن زیاد کے مہمان ہوئے۔ ابن زیاد نے اپنے آدمی کربلا بھیجے کہ مقتولین کو دفن کریں تو وہاں ستر یا بہتر لاشیں ملیں جو سب ایک ہی گڑھے میں دفن کر دی گئیں۔ کیونکہ اُن کی شناخت ممکن نہ تھی۔ آٹھ دن میں گوشت پوست چیل کوّے کھا چکے تھے۔

پھر ابن زیاد نے اِس مظلوم قافلے کو اپنی فوج کی حفاظت میں دار السلطنت کی طرف روانہ کر دیا۔ جہاں وہ عزیزوں کی طرح رکھے گئے۔ چنانچہ حضرت زینب نے اپنے داماد[1] امیر المؤمنین حضرت یزید علیہ الرحمۃ کے ساتھ رہ جانے کا فیصلہ کیا اور زندگی بھر دمشق میں رہیں۔ وہیں آپ نے وفات پائی، وہیں آپ کا مزار ہے، جو کوفی لاوی فی مجوسیوں کا منہ چڑھا رہا ہے۔ مگر یہ بے غیرت اپنی ہی الاپتے رہتے ہیں۔ کیونکہ ذکرِ حسین کی کمائی کھاتے ہیں۔ اِس ذِکر میں جھوٹ نہ ہو تو کون سُنے اور پیسے کون دے۔

۴۔ کربلا کا واقعہ پہلی صدی ہجری کے کسی راوی، محدث یا مؤرخ نے اشارۃً بھی لکھنے کی زحمت نہ کی۔ نہ امام مالکؒ نے اِس کا ذکر کیا نہ امام ابو حنیفہ نے نہ اُن کے شاگردوں نے البتہ شیعوں نے عاشورئی بعل و بخت النصر کے مظالم یہود پر سامنے رکھ کر ہندو رام لیلا یا یونانی ہیلن آف ٹرائے کے مقابلے کا ایک ڈرامہ تیار کر لیا جو بارہ سو سال سے برابر سال بر سال کھیلا جاتا ہے اور بے حد مقبول ہے۔ یہ ڈرامہ کسی کوفی مجوسی نے لکھا تھا۔ جس کا نام ابو مخنف ہے اور مصر سے دُوبارہ شائع ہوا ہے۔ علامہ محمود احمد عباسی نے اُس کا اُردو ترجمہ کراچی سے شائع کیا ہے۔ اِس کے چند بڑے جھوٹ دیکھئے۔

---

[1] حضرت زینب کی بیٹی سیدہ اُمّ محمد بنتِ عبداللہ بن جعفر رضوان اللہ علیہا۔ امیر المؤمنین یزید کے عقد میں تھیں۔

۱۔ حسینی قافلے میں کل بہتر (۷۲) افراد تھے جن سے لڑنے کے لئے یزید نے بہتر یا اسّی ہزار فوج بھیجی (حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہتر ہزار عزاداروں کو قابو میں رکھنے کے لئے صرف پندرہ بیس پولیس والے کافی رہتے ہیں) اب شیعوں نے بھی اعتراف کرلیا ہے کہ حسینی قافلے میں صرف اٹھارہ ۱۸ مرد اور چھبیس ۲۶ عورتیں تھیں جن میں بچے بھی شامل تھے۔ یہ فہرست حُریت نے عاشورہ ایڈیشن ۱۹۷۴ء میں شائع کی تھی۔

شہدائے کربلا

۱۔ حضرت علی اکبر	۲۔ حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیل
۳۔ حضرت محمد بن مسلم بن عقیل	۴۔ حضرت جعفر بن عقیل
۵۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عقیل	۶۔ حضرت محمد بن ابی سعید بن عقیل
۷۔ حضرت محمد بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب	۸۔ حضرت عون بن عبداللہ بن جعفر
۹۔ حضرت قاسم بن الحسین	۱۰۔ حضرت عبداللہ بن الحسن
۱۱۔ حضرت ابوبکر بن الحسن	۱۲۔ حضرت محمد بن علی بن ابی طالب
۱۳۔ حضرت عبداللہ بن علی	۱۴۔ حضرت عثمان بن علی رضؓ
۱۵۔ حضرت جعفر بن علی	۱۶۔ حضرت ابوالفضل العباس بن علی
۱۷۔ شیرخوار حضرت علی اصغر	۱۸۔ حضرت امام حسین

مخدراتِ قافلۂ حسینی

۱۔ ثانی زہرا حضرت زینب زوجہ عبداللہ بن جعفر	۲۔ حضرت ام کلثوم بیوہ خلیفۂ ثانی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ
۳۔ حضرت ام لیلیٰ مادر حضرت علی اکبر رضؓ	۴۔ حضرت ام رباب مادر حضرت علی اصغر
۵۔ فاطمہ کبریٰ بنت الحسین	۶۔ سکینہ بنت الحسین
۷۔ رقیہ بنت علی زوجہ جناب مسلم	۸۔ عاتکہ بنت مسلم
۹۔ حضرت فاطمہ زوجہ حضرت عباس	۱۰۔ حضرت رملہ زوجہ حضرت امام حسن
۱۱۔ حضرت شہربانو زوجہ امام حسین بن علیؓ	۱۲۔ زوجہ حضرت جعفر بن عقیل
۱۳۔ زوجہ حضرت عون بن علی	۱۴۔ زوجہ حضرت جعفر بن عقیل

۱۵۔ زوجہ حضرت موسیٰ بن عقیل	۱۶۔ زوجہ حضرت عبدالرحمٰن بن عقیل
۱۷۔ زوجہ حضرت بریر ہمدانی	۱۸۔ زوجہ حضرت جنادہ بن کعب
۱۹۔ زوجہ حضرت عبداللہ بن عمیر	۲۰۔ مادر وہب
۲۱۔ زوجہ وہب	۲۲۔ مادر عمر بن جنادہ
۲۳۔ زوجہ سعد غلام امیرالمومنین	۲۴۔ مادر قارب بن عبداللہ

۲۵۔ حضرت فضہ

اِس فہرست کی صحت بھی مشکوک ہے کیونکہ یہ عجمی مؤرخوں کی تیار کردہ ہے۔ اور یقیناً حضرت حسین نے تیار کرکے کوفیوں کو نہ دی ہوگی۔ تحقیق سے ثابت ہوچکا ہے کہ شہربانو نام کی کوئی ایرانی شہزادی یزدگرد کی بیٹی نہ تھی۔ یزدگرد انیس ۱۹ سال کی عمر میں مرا۔ اور شادی شدہ نہ تھا۔

۲۔ ابومخنف لکھتا ہے کہ حضرت حسین نے اپنے بہتر ساتھیوں کو یکے بعد دیگرے تیار کرکے لڑنے بھیجا اور خود کھڑے تماشہ دیکھتے رہے جب سب مارے گئے تو خود لڑنے نکلے اور ڈیڑھ ہزار اشقیا کو جہنم رسید کرکے ذرا دم لینے کیلئے رُکے تو خولی کا تیر آپ کی ہنسلی میں اُتر گیا۔ آپ نے نکالنے کی کوشش کی مگر نہ نکلا تو اپنا خون اپنے چہرے اور داڑھی میں مل لیا اور فرمایا کہ میں اس طرح اپنے پروردگار کے حضور پہنچوں گا۔ پھر بے ہوش ہوگئے اور جب ہوش آیا تو بلک بلک کر رونے لگے اور بین کرنے لگے ہائے نانا جان ہائے محمدؐ ہائے ابا جان، ہائے علیؓ، ہائے بھائی حسن، ہائے بے وطنی، ہائے پیاس، ہائے کوئی فریادرس نہیں، ہائے قلتِ انصار، میں مظلوم قتل ہو رہا ہوں۔ میں پیاسا ذبح کیا جا رہا ہوں۔ مجھے بے عزت کرکے چھوڑ دیا گیا ہے۔ حالانکہ میری ماں فاطمہ زہرا ہیں۔ وغیرہ (مقتل ابومخنف ترجمہ عباسی)

افسوس مسلمانوں نے نہ سوچا کہ کیا رسولؐ کا نواسہ، اسلام کا فرزند عجمی زنخوں کی طرح بین کرسکتا تھا۔ اور پھر کیا یہ واقعات ٹیلی ویژن والے ریکارڈ کر رہے تھے۔ یا ٹیپ ریکارڈنگ کے ذریعہ محفوظ کئے گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب عجمی دماغ کی بلند پروازی

کا شاخسانہ ہے یعنی محض جھوٹ ہے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ حسینی جانبازوں کے قتل کئے ہوئے یزیدی جوانوں کی لاشیں ہوا میں تحلیل ہو گئیں۔ یعنی جب آٹھ دن بعد مقتولین کو دفن کرنے کو فوج آئی تو کل ۲، ڈھانچے ملے۔ ان میں ایک بھی شامی یا کوئی دوسرا عرب قریشی نہ تھا۔ پس معلوم ہوا کہ یزیدی فوج محض ہوائی یا خیالی تھی جو ہزاروں کی تعداد میں کٹ گئی

۳۔ ابو مخنف حضرت علی بن حسین یعنی عابد بیمار کو ایک چھوٹا بچہ ظاہر کرتا ہے۔ حالانکہ وہ چوبیس سال جوان تھے اور دو بچوں کے باپ تھے۔ وہ جنگ میں زخمی ہو کر گر گئے تھے اور بچ گئے۔

۴۔ حضرت سکینہ کو ایک چھوٹی سی بچی بتلایا جاتا ہے اور ہر سال ان کا ایک چھوٹا تابوت نکال کر یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ وہ وہیں بھوک پیاسی مر گئیں۔ حالانکہ شیعہ مورخ جسٹس امیر علی ان بزرگ کی رنگین زندگی کے نقشے کھینچتا اور لکھتا ہے کہ آپ نے متعدد نکاح کئے۔ اور ایک نکاح یزید کے خاندان میں بھی کیا تھا۔

ان حقائق کی روشنی میں معرکۂ کربلا کو جیسا کہ ذاکرین حسین بیان کرتے ہیں سوائے جہاں و روافض کے کون صحیح سمجھے گا۔

چوتھی کوشش ۶۵ھ

ڈاکٹر زاہد علی لکھتے ہیں کہ انہیں کوفی قاتلان حسین نے خود کو توابین ظاہر کرکے اپنی بداعمالیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے کربلا کی ذمہ داری امیر شام یعنی حضرت یزید علیہ الرحمۃ اور ان کے عمال کے سر ڈال دی اور انتقام حسین کا مکر آمیز نعرہ (جیسے کوئی چور خود ہی چور چور پکار کر لوگوں کو فریب دیکر نکل بھاگے) بلند کرکے بنو امیہ کے خلاف ایک محاذ کھڑا کر دیا جس میں شیعوں کے تمام فرقے ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ آگے لکھتے ہیں

'ان میں سے ایک مختار بن ابی عبیدہ (جس کے گھر میں مسلم بن عقیلؓ کے بچوں نے پناہ لی تھی۔ اور اس کے باپ نے ان کو حکومت کے حوالے کر دیا تھا) نہایت بہادر اور دلیر آدمی تھا۔ اس نے موالی عجم کی کثیر تعداد اپنے گرد جمع کرلی اور بنو امیہ کا تختہ الٹنے کیلئے

کھڑا ہو گیا۔ اس نے حضرت علیؓ کے دوسرے بیٹے محمد بن الحنفیہ کو اپنا امام بنایا۔ تاریخ فاطمین مصر

یعنی مختار نے عجمیوں اور ایرانیوں کی جماعت منظم کرکے انتقام حسین کا نعرہ بلند کیا۔ اور ایک پرانی کرسی کسی کباڑ خانے سے نکال کر اسے حضرت علیؓ کا تخت خلافت بتلا کر عوام کی ہمدردیاں حاصل کیں۔ اور حکومت وقت کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس نے کوفے کے گورنر کو قتل کر دیا۔ اور قاتلین حسین کے نام سے اکثر امراء و رؤساء کے سر قلم کرکے محمد بن حنفیہ کے پاس بھیج دیئے۔ پھر حکومت سے بھڑ گیا جس میں محمد بن الحنفیہ قتل ہوئے اور اس نے اڑا دیا کہ وہ مرے نہیں بلکہ بادلوں کے پیچھے غائب ہو گئے ہیں۔ اس سے باطنیوں کو امام غائب کا تصور مل گیا اور انہوں نے بہت سے امام غائب اور حاضر بنا ڈالے۔ شیعہ اسی مختار کیسانی کو مختار اہل بیت اور احمد مختار کا نام دیتے ہیں۔ اور ایسے امام سے زیادہ احترام سے یاد کرتے ہیں۔ باطنیت کو اس کوشش سے بھی خاصہ فائدہ ہوا۔

پانچویں کوشش ۱۳۲ھ

پھر اسی ملک عجم سے ایک نو مسلم ایرانی ابو مسلم خراسانی اٹھا۔ اس نے عراقیوں اور ایرانیوں کے ساتھ بلخ و بخارا اور خراسان کے بہت سے لوگوں کو شامل کرکے ایک بڑی فوج تیار کی اور بنو امیہ کی اسلامی حکومت کو آخری ضرب لگائی جس سے وہ جانبر نہ ہو سکی۔ مگر لطف کی بات یہ کہ ابو مسلم خراسانی جو بقول حتی شیعہ اسلام کے پردے میں ایرانی عجمی وطنیت کی تحریک کو پھر زندہ کر رہا تھا، حکومت کو اپنے مقاصد کیلئے استعمال نہ کر سکا۔ اس نے حکومت بنو امیہ سے لیکر عباسیوں کے قدموں میں ڈال دی اور حکومت ملتے ہی عباسی خلیفہ نے ابو مسلم کا کام تمام کر دیا۔ تاہم اب باطنیت کے فروغ کے دروازے کھل چکے تھے۔

آخری کامیاب کوشش ۱۸۳ھ

شیعہ امام جعفر کے ایرانی نژاد غلام میمون القداح کے پوتوں نے بنو فاطمین بن کر مصر میں اپنی حکومت قائم کرلی اور باطنی اثرات کو مراقش سے یمن تک پھیلا دیا

تعلیم و تبلیغ کے باقاعدہ ادارے قائم کئے ۔ اور باطنی مذہب کی اشاعت کا کام منظم طریقہ پر چلایا ۔ مصر کی جامعہ ازہر انہیں کی یادگار ہے ۔ اور اِن کا تیار کردہ نصاب آج بھی موجود ہے ۔ بلکہ ہندوستان میں بھی باطنی علوم کا نصاب ، (کشف المحجوب واحیاء العلوم) پڑھے بغیر کسی ادارہ شرقیہ سے سند نہیں ملتی ۔ اِسی وجہ سے ہمارے علماء طریقت وصوفیت پر ایمان رکھتے ہیں اور خود کو مولانا کہلانے پر ناز کرتے ہیں ۔ حالانکہ دین توحید میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مولانا کہنا شرک ہے جسے یہ نہیں سمجھتے ۔

آیئے دیکھیں اِس مذہب کی اشاعت کیسے ہوئی ۔

یمن میں تبلیغ باطنی

ڈاکٹر زاہد علی لکھتے ہیں ۔ اسمٰعیلیوں کے نزدیک ایک حدیث شریف کے لحاظ سے یمن بہت مبارک اور مقدس علاقہ سمجھا جاتا ہے ۔ دُوسرا سبب یہ ہے کہ یمن میں شیعی مذہب کی تحریک قدیم زمانے سے جاری رہی ہے ۔ عبداللہ بن سبا جس نے اِسلام کی ابتداء میں مذہب اہل بیت کی تبلیغ میں بہت کچھ حصہ لیا ۔ صنعاء (یمن) کا باشندہ تھا ۔ حضرت معاویہ کے عہد میں بسر بن ارطاط نے جب یمن فتح کیا تو تمام یمن والوں نے اسکی اطاعت کی ۔ لیکن ہمدان اور حمیر کے قبیلوں نے بنو اُمیہ کی حکومت تسلیم نہیں کی ۔ یہ قبیلے جبل شمام کو اپنی پناہ گاہ بنا کر دُوسرے قبیلوں سے الگ تھلگ رہتے ہے ۔ ص ۶۸

تیسرا سبب یمن کو منتخب کرنے کا یہ ہے کہ فاطمین کے ظہور کا آغاز اِسی علاقے سے ہوا ۔ امام حسین مستور نے اپنے داعی ابوالقاسم حسن بن فرح بن حوشب کو ۲۶۸ھ میں عدن لا، بھیجا ۔ اِس سے پہلے یمن میں جو اسمٰعیلی داعی تھا اِس کا نام احمد بن خلیع تھا ۔ داعی ابوالقاسم اِسی کے گھر میں ٹھہرا ۔ اور اِس کی بیٹی سے شادی کر لی ۔ یہی وہ شخص ہے جس کے بھتیجے کو داعی ابوالقاسم نے تبلیغ کے لئے سندھ بھیجا ۔

دو سال کی اَن تھک کوششوں کے بعد اس داعی نے ۲۷۰ھ میں بنو موسیٰ کی کی مدد سے صنعا فتح کیا اور بنی یعفر کو وہاں سے نکال دیا ۔ یہ داعی منصور الیمن کے

نام سے مشہور ہوا ۔ اُس نے کئی اور داعی تیار کئے ۔ جن میں مشہور ابو عبداللہ حسین بن محمد بن زکریا ہے ۔ جو شیعی لقب سے مشہور ہے ۔ جس نے بلاد مغرب فتح کر کے امام مہدی کو ظاہر کیا ۔ اِسی کا بیٹا یا پوتا جعفر تھا جس نے اسمٰعیلی دعوت کی اشاعت میں بڑا حصہ لیا یہ بلاد مغرب کی طرف چلا گیا ۔ اور علوم باطنیہ میں اتنی ترقی کی کہ یہ امام مہدی کا باب الابواب بن گیا ۔ یہ مرتبہ امام کے رُتبے کے بعد دعوت کے تمام رُتبوں سے اعلیٰ و افضل سمجھا جاتا ہے ۔ ط ۶۹

ہندوستان میں باطنی تبلیغ

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں " داعی ابوالقاسم حسن بن فرح بن حوشب نے جب تبلیغ کا کام شروع کیا ۔ دُوسرے اور مقامات کے علاوہ ہندوستان اور سندھ میں بھی اپنے داعی بھیجے ۔ سندھ میں احمد بن خلیع کا بھتیجا ہیثم داعی بنا کر بھیجا گیا ۔ گویا تقریباً ۲۷۰ھ سے ہندوستان میں اسمٰعیلی دعوت کی ابتدا کا پتہ لگتا ہے ۔ اِس نے ملتان میں اپنی حکومت قائم کرائی تھی

اِس کے بعد خلیفہ مُعز نے اپنے زمانے میں ۳۴۱ھ ۲۶۵ میں داعی حلم بن شعبان کو دہلی کی طرف روانہ کیا ۔ ہستنا پور کا راجہ اور وہاں کے اکثر باشندے اُس کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ۔ اُس نے بہت سے داعی تیار کئے اور مُلک میں ایک وسیع سلسلہ دعوت قائم کر دیا ۔ ۳۹۶ھ میں محمود غزنوی نے ملتان فتح کیا تو اُس کا والی اسمٰعیلی تھا ۔ (جسے قتل کیا گیا ۔ محمود نے سندھ کے اسمٰعیلیوں کو بھی جو قرامطہ کہلاتے تھے ۔ چُن چُن کر ختم کیا ۔)

آگے لکھتے ہیں مستنصر کے عہد یعنی ۴۲۷ھ تا ۴۸۷ھ کے درمیان تین داعی احمد ، عبداللہ اور نور محمد (نور الدین) ہندوستان بھیجے گئے ۔ انہوں نے کھمبات میں جو گجرات کی ایک مشہور بندرگاہ ہے قیام کیا اور مدت تک غور و فکر سے ہندوستان کے لوگوں کی حالت کا معائنہ کرتے رہے ۔ داعی عبداللہ کی تبلیغ کی پہلی کامیابی کے متعلق مختلف روایتیں بیان کی جاتی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اُس کی کرامت سے ایک کسان کا سوکھا ہوا کنواں پانی سے بھر گیا ۔ یہ دیکھ کر کسان اور اسکی

بیوی دونوں مسلمان ہوگئے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ کھمبات کے ایک مندر میں ایک لوہے کا ہاتھی بغیر سہارے کے ہوا میں لٹکا ہوا تھا۔ عبداللہ نے اُسے زمین پر گرا دیا۔ یہ دیکھ کر پجاری توحید کا کلمہ پڑھنے لگے۔ اِس کے بعد عبداللہ پٹن چلا گیا جو اِس زمانے میں گجرات کا دارالحکومت تھا۔ اُس کی تبلیغ سے یہاں کے ہندو بھی متاثر ہونے لگے۔ شہر کے راجہ سدہ راج جے سنگھ بھارمل (۴۸۷ھ تا ۵۲۸ھ) کو بڑی تشویش ہوئی۔ اُس نے ایک مسلح دستہ عبداللہ کو گرفتار کرنے کے لئے بھیجا۔ مگر وہ اُس کے پاس تک نہ پہنچ سکا کیونکہ اُسے ایک آگ کی دیوار نظر آئی جو عبداللہ کو گھیرے ہوئے تھی۔ پھر خود راجہ پہنچا۔ عبداللہ کے حکم سے وہ دیوار ہٹی اور راجہ اس میں گزرا۔ متحیر ہو کر راجہ نے ایک اور معجزے کی خواہش کی۔ عبداللہ نے ایک بُت سے کہلوایا کہ عرب کا مذہب سچا ہے۔ بُت کا اقرار سُن کر راجہ اور اِس کے ساتھی مسلمان ہوگئے (باطنی مسلمان ج ۲ ص ۸۲)

بہرحال ہندوستان میں تقریباً ۲۷۰ھ سے اسماعیلی دعوت کا سلسلہ جاری ہوا اور اِس سے اسماعیلیوں کی تعداد بڑھتی رہی۔ ۹۴۶ھ میں یہ دعوت مستقل طور پر ہندوستان میں آگئی۔ یہاں آنے کے بعد اسماعیلیوں کی سرگرمی صرف مذہبی دائرے تک محدود رہی سیاسی معاملات میں حصہ لینا چھوڑ دیا۔" (ج ۲ ص ۸۳)

مگر ۱۹۰۶ء میں پرنس آغا خاں مرحوم نے جو اسماعیلی باطنی تحریک کے امام یا خُدا تھے، ہندوستان میں دوبارہ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لئے مسلم لیگ کی بنیاد رکھی۔ خود اِس کے صدر بنے اور اپنے خرچ پر سات سال تک اِس تحریک کو ہندوستان کے کونے کونے میں پہنچانے اور تمام فرقوں کو ایک پرچم تلے جمع کرنے کی بے مثال خدمت انجام دی۔ البتہ اِن کے جانشین نے اُن کی وہ آرزو پوری نہ ہونے دی۔ یعنی اِس تحریک کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی جدوجہد میں تبدیل کر دیا تو مایوس ہو کر آغا خان نے اِس ادارے میں دلچسپی لینا چھوڑ دیا اور مالی اعانت بھی بند کر دی۔ ہمارے قائداعظم مرحوم آغا خان کے قانونی مشیر تھے۔ اور خاصہ مشاہرہ

پاتے تھے۔ (نواب صدیق علی خان)

اب دیکھئے کہ بنو فاطمین مصر نے اپنے باطنی مذہب کی تبلیغ و اشاعت میں کس درجہ اہتمام کیا تھا۔ اور یہ لوگ اپنے داعیوں کو عیسائی مشنریوں کی طرح کس طرح تیار کرتے تھے جس کی وجہ سے مصر میں ان کی حکومت تین سو سال رہی۔

کارخانہ اولیا سازی

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔ اسمعیلی داعی علوم اہل بیت کی تعلیم کے لئے خاص مجلسیں منعقد کرتے تھے۔ جو "مجالس حکمت" کے نام سے مشہور تھیں۔ اِن میں جو لوگ شریک ہوتے وہ اولیا کہے جاتے تھے شیوخ دولت (سرکاری افسر) متوسط درجے کے لوگ، مسافرین اور خدام (ملازمین) وغیرہ ہر طبقے کے لئے الگ الگ مجلسیں منعقد کی جاتی تھیں۔

لکھتے ہیں کہ اگرچہ اِن طریقوں کے مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غیر اسمعیلی عقائد کے مسلمانوں کو اسمعیلی بنانے کے لئے کام میں لائے جاتے تھے (یعنی سُنیوں کو شیعہ بنانے میں استعمال ہوتے تھے) تاہم اِن سے اِن طریقوں پر بھی روشنی پڑتی ہے جو غیر مسلموں کے سامنے پیش کئے جاتے ہوں گے۔ کیونکہ اِن میں انسان کی عقل کو عاجز کرنے اور ناقابل فہم عجائبات پیش کرنے کی حکمت عملی پائی جاتی ہے۔ یہ طریقے اسمعیلی گروہ کے ہاں نہایت مخفی رکھے جاتے تھے، اور اُن کو چھپانے کی سخت کوشش کی جاتی تھی۔ مگر یہ باطنی علوم زیادہ مخفی نہ رہ سکے۔ رفتہ رفتہ منظر عام پر آگئے۔ اور بہت سے غیر اسمعیلی مورخوں مثلاً بغدادی شہرستانی اور مقریزی نے اپنی تصنیفوں میں ان کا ذکر کر دیا جس سے باطنی علوم سے پردہ اُٹھ گیا اور اُن پر سختیاں کی جانے لگیں محمود غزنوی نے ہندوستان میں قرامطہ کو چُن چُن کر قتل کروایا۔ پھر تاتاری مُدتوں اُن کی تلاش میں رہے جس کی وجہ سے اُن کے بیشتر داعی غیر معروف مقامات پر جا کر چھپ گئے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اُن کے خاص گڑھ قاہرہ پر حملہ کر کے اُن کی حکومت ختم کی۔ یہ واقعہ ۵۶۵ھ کا ہے۔ چنانچہ اُس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ اولیاء کا بننا بند ہوگیا۔ اور بعد میں جو کوئی ولی پیر بنا وہ علوم باطنی سے کما حقہ

واقف نہ تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے اولیا، بنانے کے سارے طریقے اپنی کتاب میں درج کر دیئے ہیں۔ ہم اختصار کے خیال سے صرف چار اسباق پیش کرتے ہیں جن سے بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ یہ صوفی حضرات جو ہندوستان، ایران، عراق اور مصر میں پھیلے ہوئے تھے کہاں اور کیسے بنے تھے۔ اور بنو فاطمین کے زوال کے بعد کیوں نہ بن سکے۔ اور یہ بھی یاد رکھیے کہ خطۂ عرب میں یعنی سرزمین حجاز میں آج تک کوئی صوفی ولی، پیر، قطب ابدال نہ پیدا ہوا جو بھی پیدا ہوا عجم میں ہوا یعنی عراق وایران سے آیا۔

پہلی دعوت یا سبق

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔ داعی نہایت وقار سے مسند پر بیٹھتا ہے۔ اور جس کو دعوت کرتا ہے پہلے اس سے کلام مجید کی آیات کی تاویل اور معانی شریعت کی مشکل باتوں اور علم طبعیات وغیرہ کے چند مشکل مسئلوں کے بھی سوال کرکے کہتا ہے کہ اے شخص اسرار دین پوشیدہ ہیں اور اکثر لوگ اُن کے منکر ہیں بلکہ اُن سے جاہل ہیں، اگر مسلمان ان باتوں کو جان لیتے جو اللہ تعالٰی نے ائمہ اہل بیت سے مخصوص کی ہیں۔ تو اُن میں اختلاف پیدا نہ ہوتا۔ اور وہ گمراہ نہ ہوتے۔ اُن کی گمراہی کا سبب یہ ہے کہ اُنہوں نے ائمہ دین سے روگردانی کی ہے اور غیروں کا اتباع کرتے ہیں (اشارہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی طرف ہے) اور حق یہ ہے کہ ائمہ ہی تنزیل وتاویل قرآن سے آگاہ ہیں۔ اللہ تعالٰی نے علم دین کو پردے میں مخفی رکھا ہے۔ تاکہ اسرار الٰہی مبتذل نہ ہو جائیں۔ پس اللہ تعالٰی کے بھید سوائے فرشتہ مقرب اور نبی مرسل یا بندہ مومن کے جس کے دل کا خدا نے تقویٰ میں امتحان کر لیا ہے کوئی نہیں جان سکتا۔

جب مدعو (جس کو دعوت دی جا رہی ہے) کا دل ان باتوں سے مرلوط ہو جاتا ہے۔ اس وقت داعی دوسری باتیں شروع کر دیتا ہے۔ کہتا ہے رمی جمار، اور سعی صفا و مُردہ کیا ہے۔ کس لئے حائضہ کو روزے کی قضا کا حکم ہے مگر قضائے نماز کی ممانعت ہے کیا سبب ہے کہ جنابت کیلئے غسل ہے اور پیشاب پاخانے کے لئے غسل کا حکم نہیں

کیا سبب ہے کہ خدا نے مخلوق کو چھ دن میں پیدا کیا۔ کیا ایک گھڑی میں پیدا کرنے سے عاجز تھا صراط کے کیا معنی ہیں۔ کراماً کاتبین کیا ہیں۔ اور آیت کریمہ وَیَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ کے کیا معنی ہیں۔ شیطان اور اُس کی صفت کے کیا معنی ہیں۔ یاجوج ماجوج اور ہاروت و ماروت کیا ہیں اور کہاں ہیں۔ سات دوزخیں اور آٹھ جنتیں کس وجہ سے ہیں اور کہاں ہیں۔ اور اس کے کیا معنی ہیں کہ حوا حضرت آدم ؑ کی پسلی سے پیدا ہوئیں۔ پاؤں اور ہاتھوں میں دس دس انگلیاں کیوں بنائی گئی ہیں۔ چہرے میں سات سوراخ کیوں ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ پشت (ریڑھ) میں بارہ کڑیاں ہیں۔ اور گردن میں سات کڑیاں ہیں۔

اِسی طرح داعی تمام تشریح اعضاء کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تم اپنے نفس پر غور کرو اور خیال نہیں کرتے ہو کہ ہمارا پیدا کرنے والا حکیم اور علیم ہے۔ اُس کے سب کام حکمت سے لبالب ہیں۔ اُس نے قرآن میں جابجا غور کیلئے تاکید فرمائی ہے چنانچہ آیت کریمہ۔ فِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ٥ (الذاریات)

پھر جب داعی دیکھتا ہے کہ مدعو کو اپنی باتوں کی طرف بخوبی رغبت ہے تو اُس سے کہتا ہے کہ اے شخص جلدی نہ کر۔ خدا کا دین اعلیٰ ہے اُس سے نا اہل آگاہ ہوں بغیر معاہدے کے آگاہ کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالٰی کی عادت ہے کہ جس کو ہدایت کرتا ہے اُس سے پہلے عہد و پیمان کر لیتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے۔ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقًا غَلِيظًا ٥

اِس قسم کی آیات پڑھ کر کہتا ہے کہ بیعت کیلئے ہاتھ دو۔ اور ہم سے عہد استوار کرو کہ ہرگز بیعت نہ توڑو گے اور راز کو فاش نہ کرو گے۔ ہمارے دوست کو دوست اور دشمن کو دشمن سمجھو گے۔

جب مدعو نے بیعت کر لی تو اُس وقت داعی اِس کے مال میں سے بقدر حیثیت کچھ امام کی نذر کے لئے مانگتا ہے۔ اگر مدعو دے دیتا ہے تو داعی کی مجلس میں بار دیگر حاضر ہو سکتا ہے۔ ورنہ اِس کو پھر بار نہیں ملتا۔ (ج ۲ ص ۲۱۲ تا ص ۲۱۸)

دُوسری دعوت

جب مدعو سب باتیں پہلی دعوت کی تسلیم کر لیتا ہے اور مال بھی نذر کر دیتا ہے تو دُوسری مجلس میں داعی اس سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا اپنی اطاعت سے جب تک بندہ امرِ حق کی پیروی نہ کرے۔ پھر اُن امُور کی تشریح کرتا ہے جو اس فرقے کی کتابوں میں تفصیل سے مذکور ہیں۔ پھر جب داعی کو معلوم ہو جاتا ہے کہ مدعو کے دل میں ائمہ کی طرف سے اعتقاد راسخ ہو گیا ہے تو تیسری دعوت کی نوبت آتی ہے ص۲۱۹ ج۲

تیسری دعوت

مدعو تیسری دعوت میں حاضر ہوتا ہے تو داعی کہتا ہے کہ ائمہ حق سات ہیں۔ حضرت علیؓ، حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت زین العابدین، حضرت محمّد باقر، حضرت جعفر صادق، اور ساتویں قائم صاحب الزمان اور قائم میں اختلاف ہے۔ بعض محمّد بن مکتوم بن اسمٰعیل بن امام جعفر صادق کو جانتے ہیں۔ اور بعض خود اسمٰعیل بن امام جعفر صادق کو۔ صاحب الزمان کو علمِ باطنی اور خفی حاصل ہے۔ اور وہی تاویل وتفسیر اور تاویلات کے ماہر ہیں۔ اور دُعاۃ (جمع داعی) اِن کے وارث ہیں (جو دُنیا پر بھی کہلاتے ہیں) ص۲۱۹

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ اسمٰعیلیوں کے یہاں امام اوّل حضرت حسن ہیں اور حضرت علی وصی ہیں۔

چوتھی دعوت

اس دعوت میں داعی کہتا ہے۔ شرع کے مجدد سات ہیں۔ جو ناطق کہلاتے ہیں۔ ہر ناطق کا ایک وصی ہوتا ہے جس کو صامت (گونگا) کہتے ہیں۔ پہلے ناطق حضرت آدمؑ تھے۔ اُن کے صامت شیثؑ تھے۔ دُوسرے ناطق نوحؑ ہوئے۔ جنہوں نے ناطق اوّل کی دعوت کو یکسر منسوخ کر دیا۔ اُن کے صامت سام تھے۔ تیسرے ناطق حضرت ابراہیمؑ ہیں۔ اُن کے جانشین اسمٰعیل ہوئے۔ چوتھے ناطق حضرت موسیٰؑ ہیں۔ اُن کے وصی ہارونؑ تھے۔ پانچویں ناطق حضرت عیسیٰؑ تھے۔ اُن کے وصی شمعونؑ ہوئے۔ اور چھٹے ناطق حضرت رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں جن کے وصی حضرت علیؑ تھے۔ ساتویں ناطق صاحب الزمان محمّد بن

اسمٰعیل ہیں جن پر علُوم اولین و آخرین تمام ہوئے۔ اسی وجہ سے آسمان زمین دریا ہفتے کے دن اور کواکب دسیارے بھی سات ہیں جو عالم کے مدبر ہیں۔ اور اسی سبب سے اِنسان کے چہرے میں سات سُوراخ رکھے گئے ہیں۔ تاریخ بنو فاطمین ص۲۲ ج۲)

ڈاکٹر صاحب اِن دعوتوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مدعو کی قابلیت اور استعداد کے مُطابق یہ دعوتیں بڑھائی گھٹائی بھی جاتی تھیں۔ مختلف فرقوں کے رجحانات ومیلانات کا بھی خیال رکھا جاتا تھا۔ اگر مدعو شیعہ ہے تو شیعی نظریات پر زور دیا جاتا۔ اگر نصرانی ہوتا تو اسے ظہورِ مسیح کی اُمید دلائی جاتی۔ اور اگر صابئی ہوتا تو ساتویں عدد کی اہمیت بتلائی جاتی تھی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اِن داعیوں کے مقاصد سیاسی ہوتے تھے یعنی خلافتِ عباسیّہ کے خلاف شورشیں اور بغاوت پھیلانا (ص۲۲۵ ج۲)

عہد الاولیا یا سندِ ولایت

ادیا رسازی کا کورس ختم ہونے کے بعد ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ مدعو سے ایک عہد لیا جاتا تھا جسے عہد الاولیاء کہتے تھے۔ یعنی ولی بن جانے کی سند۔ اُس کے عہد وپیمان حسبِ ذیل ہوتے تھے۔

داعی مدعو سے عہد لیتا۔ اور خُدا کی قسم کھلا کر کہتا تم نے اپنے نفس پر خُدا کا وہ عہد ومیثاق، اور رسُول انبیاء، ملائکہ اور کتابوں کا وہ ذمہ واجب کر لیا ہے جو خُدا نے انبیاء سے لیا ہے کہ تم نے میرے متعلق یا اس شہر میں جو امام ہے اُس کے اور اُس کے اہل بیت اور اصحاب وغیرہ کے متعلق جو کچھ سُنا ہے یا سُنوگے۔ جانا ہے یا جانوگے اُسے چھپاؤگے اور اس میں سے کسی بات کو خواہ بڑی ہو خواہ چھوٹی ظاہر نہ کروگے۔ بجز اس بات کے جس کی میں تمہیں اجازت دوں۔ تم ہمارے حکم کے مُطابق عمل کروگے اور اس سے منحرف نہ ہوگے۔ اور تم اس بات کی گواہی دو کہ کوئی معبُود نہیں سوائے اللہ کے، اور گواہی دو کہ محمّدؐ اُس کے بندے اور رسُول ہیں۔ اور جنّت حق ہے۔ جہنم حق ہے۔ موت حق ہے۔ بعث حق ہے۔ اور اقرار کرو کہ نماز وقت پر پڑھوگے زکوٰۃ ادا کروگے۔ رمضان کے روزے رکھوگے۔ حج کروگے۔ خُدا کے فرائض اور رسُول

کی ظاہر اور باطن دُونوں صُورتوں میں پابندی کرو گے۔ خُدا کے اُولیا سے دوستی اور اُن کے دشمنوں سے دشمنی کرو گے (مُراد ابوبکر، عُمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اور اِن کے ماننے والوں سے)

پھر داعی کہتا ہے اِس عہد کی محافظت اِس بات پر منحصر ہے کہ ہم نے تُم سے جن باتوں کا عہد لیا ہے اُن میں سے کِسی بات کو ظاہر نہ کرو۔ نہ ہماری زندگی میں نہ ہماری وفات کے بعد۔

اگر تُم نے اِس عہد کے خلاف کیا تو تُم اللہ اور اِسکی جماعت سے خارج ہو جاؤ گے اور تمہارا ٹھکانہ اُس جہنم میں ہو گا جس میں کوئی رحمت نہ ہو گی۔ اور خُدا تُم پر وہ لعنت بھیجے گا جو اُس نے ابلیس پر بھیجی ہے۔

اگر تُم نے مخالفت کی تو کفارے کے طور پر تمہیں بیس حج پیدل کرنے ہوں گے۔ اور تمہاری ساری املاک فقیروں اور مساکین کو دیدی جائے گی۔ اور تمہاری بیوی مطلقہ شمار کی جائے گی۔ اور تمہارے بچے تُم پر حرام ہو جائیں گے۔

میں تمہیں امام اور اُس کی حجّت کی طرف سے قسم کھلاتا ہوں اور تُم قسم کھاتے ہو کہو نعم۔ اور مدعو کہتا ہے نعم یعنی جی ہاں (تاریخ بنو فاطمین صفحہ ۲۲۴ ج ۲)

آج کل فری میسن نے یہ اُصول اپنائے ہیں۔ اور یہ بھی یہودی تنظیم ہے۔

اُس کے بعد مدعو (شاگرد) کو سند ولایت دیدی جاتی ہے۔ یعنی اِسے ولی اللہ بننے اور اِس مرتبے سے تمام دُنیاوی و دینی فوائد حاصل کرنے کی اجازت مل جاتی۔

کہتے ہیں کہ ولایت کے بارے میں ایک حدیث شریف بھی بنائی ہے۔ اَلوِلَایَۃُ اَفْضَلُ مِنَ النُّبُوَّۃِ۔ یعنی مقام ولایت مرتبہ نبوت سے افضل ہوتا ہے۔

پتہ نہیں یہ ظاہری رسُول کی حدیث ہے یا باطنی رسُول کی۔ بہر حال عربی میں ہے اِس لئے حدیث ہے اور سب پیر بزرگ اُسے مانتے تھے۔ چنانچہ لغات دیکھئے ولی کے معنیٰ جانشین، ولی عہد، وارث، دُوست، ساتھی وغیرہ درج ہیں۔

اور عوام کو اجازت ہے وہ جن معنوں میں چاہیں اپنے مُرشد کو ولی اللہ سمجھیں۔ بلکہ خُدا سمجھیں بھی تو کوئی حرج نہیں۔

ولایت سے فائدے

فارغ التحصیل اولیاء میں ہونہار افراد کو خطابات سے نوازا جاتا۔ مثلاً جلال الدین۔ دین کا دبدبہ محی الدین۔ دین کو زندہ کرنے والا۔ معزّالدین۔ دین کو عزت دینے والا۔ معین الدین دین کی مدد کرنے والا۔ نظام الدین۔ دین کا انتظام قائم رکھنے والا وغیرہ۔ یہ خطابات محض مالک یوم الدین کے مقابل لانے کے لئے دیئے جاتے تھے۔ جنہیں بعد کو پھیلانے ناموں کے طور پر رکھنا شروع کر دیا۔ اور مطلب پرست خوشامدیوں نے اپنے بادشاہوں کو انہی خطابوں سے نوازنا شروع کر دیا۔ ورنہ یہ سب مُشرکانہ نام ہیں۔ اہلِ حجاز اور سچّے موحد قسم کے مُسلمان اِن ناموں کو برداشت نہیں کرتے۔

ہندوستان میں یہ نام انہی پیروں اور مشائخوں کے ذریعہ پھیلے ہیں۔ مگر یہاں اُن کے معنیٰ کچھ اور سمجھے جاتے ہیں بلکہ یہ ہندو نام رام دین، سوہاگ دین۔ دیال دین یا دین دیال کی نقل میں امام دین۔ خواج دین۔ فضل دین۔ احمد دین ہو گئے ہیں جن کے معنیٰ مطالب سے کوئی سروکار نہیں۔ حالانکہ ہندی دین اور عربی دین کے معنوں میں فرق ہے۔

گمراہ کرنے کی ترکیبیں

باطنی داعی جس مُلک جاتے وہاں کے حالات کے مُطابق اپنے چیلوں کو خطابوں سے نوازتے۔

جیسے افریقہ کے سیاہ فام باشندوں سے خوف کھا کر اُنہیں سیّدی یعنی میرا سردار کہنا شروع کر دیا۔ اور بعد کو یہ لفظ سِدّی اور شیدی بن گیا۔ یعنی ہر سیاہ فام افریقی کے لئے استعمال ہونے لگا۔ خواہ وہ عیسائی ہو یا کافر ہو یا مُسلمان۔

اِسی طرح ایران و عجم نے سیّدی کا لبادہ اوڑھ لیا۔ یہاں سے جو اُٹھا سیّد تھا خواہ بخاری ہو یا سمرقندی۔ گیلانی ہو یا سنجری۔ پھر ہندوستان کے مُسلمان بھی اِس وبا سے محفوظ نہ رہ سکے۔ جو لوگ ہندو مذہب سے اِسلام میں آئے وہ اپنی ذات پات

کی بندشوں کو بھلا نہ سکے۔ اس لئے ضرورت ہوئی کہ اسلامی زندگی میں بھی کسی نسبت کے ذریعہ تھوڑی سی اہمیت حاصل کی جائے اور وہ اہمیت غالباً صرف عربوں سے نسبت ملانے سے حاصل ہو تی تھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ رسم انہی باطنی بزرگوں کی ایجاد کردہ ہے۔ جو ایران توران خراسان سے سیّد بن کر نکلتے تھے۔ چنانچہ مولوی عبدالرشید صاحب نعمانی اپنی کتاب ابن ماجہ اور علم حدیث میں حسب ذیل دلچسپ واقعہ نقل کرتے ہیں۔

محدّث ابن ماجہ کا نسب یہ معلوم نہ ہوسکا کہ ابن ماجہ میں لفظ ماجہ ان بزرگ کے باپ کا نام ہے یا ماں کا۔ محدّث رافعی نے تصریح کی ہے کہ ماجہ ایک فارسی لفظ ہے جو غالباً ماہ یا ماہچہ کا معرب ہے اُس سے ظاہر ہے کہ امام ابن ماجہ عجمی نژاد تھے۔ عربی النسل نہ تھے۔ اِس لئے ربعی جو آپ کی نسبت ہے نسلی نہیں بلکہ نسبت ولا ہے"

نسبت وِلا کیا بلا ہے فرماتے ہیں مورخ ابن خلکان نے صاف تصریح کی ہے۔ الربعی بالولاء اس زمانے کا اسلامی دستور تھا کہ جب کوئی نومسلم مشرف بہ اسلام ہوتا تو وہ جس قبیلے کے کسی شخص سے عقد موالات یعنی دوستی کا عہد و پیمان کرتا۔ اُسی قبیلے کی طرف منسوب ہو جاتا اور اس کا حلیف اور مولا کہلاتا۔ آگے لکھتے ہیں۔

امام ماجہ کا انتساب عرب کے ربیعہ نامی کونسے قبیلے کی طرف ہے اُسکے تعین سے تاریخ کے اوراق بالکل خاموش ہیں (صـ ۲ و صـ ۳)

لیکن چونکہ اس سے ولا کا معاملہ صاف نہ ہوسکا۔ رشید نعمانی صاحب ایک فٹ نوٹ کے ذریعہ اس کی مزید وضاحت فرماتے ہیں۔

واضح رہے کہ مولا کا لفظ اگرچہ زیادہ تر حلیف اور مولا الموالات کے معنوں میں مستعمل ہے تاہم چونکہ مولا غلام کو بھی کہتے ہیں۔ اسلئے لفظی مشارکت کی بنا پر بعض وقت دھوکا ہو جاتا ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بھی بعض لوگوں کو یہی مغالطہ ہوا ہے کہ وہ مولیٰ کے معنیٰ غلام کے سمجھے۔ لیکن خود امام اعظم کی تصریح اس کے برخلاف ہے چنانچہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ مشکل الآثار میں جو فن حدیث میں ایک بے مثل کتاب ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے باسناد صحیح راوی ہیں۔

عبداللہ بن یزید مقری کا بیان ہے کہ میں امام ابوحنیفہ کے پاس آیا تو وہ مجھ سے دریافت کرنے لگے "تم کون ہو"؟ میں نے عرض کیا "ایک ایسا شخص جس پر اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ احسان فرمایا ہے" یعنی میں نومسلم ہوں۔ امام صاحب نے فرمایا یوں نہ کہو۔ بلکہ ان قبائل میں سے کسی سے موالات کرلو۔ پھر تمہارا بھی انتساب اُنہی کی طرف ہونے لگے گا۔ کیونکہ خود میں بھی ایسا ہی تھا (یعنی نومسلم تھے۔ عرب قبیلے سے دوستی کرکے نعمانی بن گئے۔)

اِسی تعلیم کا اثر تھا کہ ہندوستان میں پنجابی اروڑے خوجہ یا خواجہ بن گئے، جاٹ ملک اور اعوان کہلائے۔ یہی اعوان علی ہیں جن کی اماموں کے زمانے میں سخت قلت تھی۔ حضرت علی کو چالیس اعوان میسر نہ آئے جو اپنا حق خلافت حاصل کرتے۔ مگر پاکستان میں یہ لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ اِسی طرح کمبوہ قوم زبیری بن گئی۔ نداف و بزاز انصاری وصدیقی کہلانے لگے (من جملہ ہمارے) بعض لوگ چھوٹے بڑے قریشی ہوگئے اور ہندو برہمن مسلمان ہوئے تو ہاشمی جعفری، کاظمی، سیّد بن بیٹھے۔ بلکہ سیّدی تو بڑی غریب پرور ہے۔ اِس میں مادری تہذیب کی معرفت مجہول النسب افراد کو بھی پناہ مل جاتی ہے جیسے میمون القداح کی مجوسی اولاد فاطمی سیّد مشہور ہوئی ایرانی مچھیرے بنو بویہ اشراف و سیّد کہلائے۔ ہندوستان میں طوائفوں کی اولاد عموماً میر صاحب وسیّدانی بی بی بنتی رہی ہے۔

ایک مثالی ولی اللہ آپ نے ولی، و لایت تولا، مولیٰ، موالی اور موالات وغیرہ کے الفاظ اتنی بار پڑھ لئے ہیں کہ ان کے معنیٰ واضح ہوگئے ہوں گے۔ اور وہ حدیث اَلْوِلَایَۃُ اَفْضَلُ مِنَ النُّبُوَّۃِ

بھی دیکھ لی تو آیئے دیکھیں، ولی نبی سے افضل کیوں ہوتا ہے۔ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی حیات طیبہ کے یہ اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

"جس زمانے میں خواجہ اجمیری کی ولادت باسعادت ظہور میں آئی وہ اسلامی دنیا میں بڑی مصیبتوں اور ابتلا کا زمانہ تھا سیستان اور خراسان کے علاقے بھی تباہی اور لوٹ مار کی زد میں آئے ہوئے تھے" (صفحہ ۱۴ شائع کردہ غلام علی اینڈ سنز لاہور)

عرض مصیبتوں اور آفتوں کے اس المناک ماحول میں خواجہ اجمیری نے پرورش پائی اور سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا جس کے باعث عبرت اور ناپائیداری عالم کا پہلا نقش آپ کے دل پر پڑا اور دنیا سے دل اچاٹ ہو گیا۔ آپ مرشد کامل کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ واضح رہے کہ یہ سلطان محمود غزنوی اور سلطان صلاح الدین ایوبی یعنی سلجوقیوں کا دور حکومت ہے۔ ان دونوں نے باطنیوں کا قلع قمع کیا تھا۔ اور ان کے جانشین باقی کام انجام دے رہے تھے۔ چنانچہ انہیں تاتاری لٹیرے اور کفار ظاہر کیا جا رہا ہے (ص۱۷)

مرشد سے بیعت

آپ خواجہ ہاردنی کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف ارادت و بیعت سے مشرف ہوئے خواجہ عثمان ہاردنی سے ملاقات ہونے پر آپ نے محسوس کیا کہ ان سے زیادہ مرد کامل آپ کو نہیں مل سکتا۔ چنانچہ کچھ دن ان کی صحبت میں رہے۔ اور عقیدت کا جذبہ آپ کے دل میں بڑھتا چلا گیا۔ خواجہ عثمان ہاردنی نے بھی خواجہ اجمیری کی باطنی حالت کو بھانپ لیا۔ اور ان کی بیعت کو مبارک جانا" (ص۱۳)

بیعت کس طرح ہوئی

خواجہ صاحب خود لکھتے ہیں ایسی صحبت میں جس میں بڑے بڑے معظم و محترم مشائخ کبار جمع تھے۔ میں ادب سے حاضر ہوا۔ اور روئے نیاز زمین پر رکھ دیا۔ حضرت مرشد نے حکم دیا کہ دو رکعت نماز ادا کرو۔ میں نے فوراً تعمیل کی پھر فرمایا رو بہ قبلہ بیٹھو۔ میں ادب سے قبلہ رخ بیٹھ گیا۔ پھر ارشاد ہوا سورۃ بقرہ پڑھو۔ میں نے خلوص عقیدت سے

پوری سورت پڑھی۔ پھر فرمایا ساٹھ بار سبحان اللہ پڑھو۔ میں نے تعمیل کی۔

ان مدارج کے بعد حضرت مرشد قبلہ خود اٹھ کھڑے ہوئے اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا میں نے تجھے خدا تک پہنچا دیا۔" اس کے بعد حضرت مرشد قبلہ نے ایک خاص ٹوپی جو کلاہ چہار ترکی کہلاتی ہے میرے سر پر رکھی اور اپنی کملی مجھے اوڑھائی اور فرمایا بیٹھو میں بیٹھ گیا۔ (ص۱۹)

پھر حکم ہوا ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھو۔ میں نے اسے پڑھ کر ختم کیا تو فرمایا ہمارے طبقہ مشائخ میں یہی ایک شب و روز کا مجاہدہ ہے۔ دوسرے دن پھر حاضر ہوا۔ حکم ہوا بیٹھ جا۔ میں بیٹھ گیا۔ پھر ارشاد ہوا۔ اوپر دیکھ۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا تو پوچھا کہاں تک دیکھتا ہے۔ میں نے عرض کیا عرش معلیٰ تک۔ تب ارشاد ہوا۔ نیچے دیکھ میں نے آنکھیں زمین کی طرف پھیریں تو پھر وہی سوال ہوا کہاں تک دیکھتا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ تحت الثریٰ حکم ہوا پھر ہزار بار سورہ اخلاص پڑھ جب میں حکم کی تعمیل کر چکا تو ارشاد ہوا۔ آسمان کی طرف دیکھ اور بتا کہاں تک دیکھتا ہے۔ میں نے دیکھ کر عرض کیا حجاب عظمت تک فرمایا آنکھیں بند کر۔ میں نے بند کر لیں۔ ارشاد ہوا۔ اب کھول میں نے کھول دیں حضرت نے اپنی دو انگلیاں میری نظر کے سامنے کیں اور پوچھا کیا دیکھتا ہے۔ میں نے کہا۔ اٹھارہ ہزار عالم دیکھ رہا ہوں۔ جب آپ نے میری زبان سے یہ جملہ سنا تو فرمایا بس اب تیرا کام پورا ہو چکا۔ (ص۲۰)

ذرا غور فرمایئے اس پائے کا افترا سوائے عجمی باطنی کے کون گڑھ سکتا ہے۔ جو زمین پر بیٹھ کر خدا کا گھونگھٹ (حجاب عظمت) دیکھ لیتا ہو اور زمین کے نیچے پاتال کا حال بھی جانتا ہو۔ ہندو عقیدہ ہے کہ زمین کے نیچے مردوں کی دنیا آباد ہے۔ اور آخری طبق زمین پر ایک گائے ہے۔ جس کے سینگ پر دنیا قائم ہے۔ وہ سینگ بدلتی ہے تو بھونچال آتا ہے۔ اب ان بزرگ کی اسلامی زندگی کا حال سنیئے۔

شریعت سے بیزاری

سوانح نگار صاحب لکھتے ہیں کہ خواجہ صاحب اکثر استغراق کے عالم میں آنکھیں بند کئے رہتے۔ اور جب نماز پڑھنے لگتے تب آنکھیں کھولتے تھے۔

جب نماز کا وقت آتا خواجہ قطب الاقطاب اور قاضی حمید الدین ناگوری آپکے سامنے آجاتے اور ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے۔ پھر بلند آواز سے فرماتے الصلوٰۃ الصلوٰۃ۔ یہ آواز سن کر حضرت خواجہ عالم استغراق سے باہر آجاتے اور نماز ادا کرتے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ یہ آواز سن کر بھی محویت دور نہ ہوتی۔ اس صورت میں وہ دُونوں بزرگ آپ کو شانے سے پکڑ کر ہلاتے تب آپ آنکھیں کھول دیتے اور فرماتے شرع محمدی سے مفر نہیں۔ سبحان اللہ ہم کہاں تھے اور کہاں آگئے وضو کی ضرورت ہوتی تو وضو فرماتے اور نماز میں مشغول ہو جاتے۔ (ص ۸۲ خواجہ بندہ نواز) آگے لکھتے ہیں" صاحب مرآۃ الاسرار کا بیان ہے کہ خواجہ غوثیت قطبیت اور قطب الاقطابی سے گزر کر قطب وحدت یعنی مرتبہ محبوبیت تک فائز تھے۔ اور استغراق فنائے احدیت تک یک رنگ تھے۔

(خدا کرے یہ سب آپ کی سمجھ میں آجائے)

اور آپ یقین کرلیں کہ خواجہ صاحب کے استغراق کا راز کیا تھا کہ جب آنکھ کھولتے تو فرماتے ہم کہاں تھے اور کہاں آگئے۔ یعنی افلاک کی سیر فرماتے تھے اور صرف شریعت کی ادائیگی کے لئے دُنیا میں آنا پڑتا تھا جو بے لطف سی بات تھی آپ بھی افلاک کی سیر کرنا چاہیں تو بزرگانِ دین یعنی صُوفیوں، قلندروں جوگیوں کی شاگردی قبول کریں۔ اور اُن کی صحبت میں فلک سیر سے شغل فرمایئے۔ اِس کی تفصیل آپ کو فردوس بریں کے حالات کے تحت آخری باب میں دیکھنی ہوگی پھر آپ بھی استغراق فنائے احدیت تک یک رنگ ہو جائیں گے۔ معاذ اللہ کاش ھندی مُسلمان اُن الفاظ کے کفر کو سمجھ سکتے۔

بغداد میں ورود

جن دنوں خواجہ صاحب نے بغداد میں قدم رکھا۔ وہاں المستنجد باللہ کی خلافت تھی۔ جو ۵۵۵ھ میں تخت خلافت پر بیٹھا تھا۔ ان دنوں خلافت عباسیہ بہت نازک دور سے گزر رہی تھی۔ ان دنوں مصر میں بنو فاطمین کی خلافت بڑی قوت پکڑ چکی تھی جس سے عباسیوں کو

خطرہ لاحق تھا۔ مگر ۵۵۶ھ میں حالات ایسے بدلے کہ بنو فاطمین کمزور پڑ گئے۔ اور خلافت عباسیہ کو پھر قوت نصیب ہوئی۔ اسی سال صلاح الدین ایوبی کے چچا اسد الدین شیر کوہ نے مصر پر قبضہ کر لیا جو بنو عباس کا حامی تھا" ص ۳۱ (اور باطنیوں کا قتل عام شروع ہو گیا)

چنانچہ خواجہ صاحب نے تبریز کی راہ لی۔ مگر زیادہ دن تک قیام نہ کر سکے اور اصفہان کی طرف رجوع ہوئے۔ مگر معلوم نہ ہو سکا کہ اصفہان میں کتنے دن رہے بہر حال آپ نے جلدی اصفہان کو چھوڑ دیا۔ اور خرقان کی جانب کوچ کیا۔ اور وہاں سے استر آباد چلے گئے۔ جہاں اِن کی ملاقات ایک باطنی بزرگ یادگار محمد سے ہو گئی۔ یادگار محمد نے جلد ہی اپنی جائداد بیچ ڈالی اور خود خواجہ صاحب کے ساتھ ہو گیا۔ اور دُونوں بلخ ہوتے ہوئے غزنی کی طرف چل دیئے۔ ص ۳۰

اِس باطنی بزرگ کو غور سے پڑھیئے جو خواجہ کے ہمراہ بھاگا تھا۔

غزنی کے حالات

اِس زمانے میں تاتاری اپنے عرُوج پر تھے۔ ان کی طاقت بہت زبردست مانی جاتی تھی۔ اُنہوں نے جدھر کا رخ کیا وہاں تباہی مچادی۔ آگ وخون کی ہولیاں کھیلتے پھر رہے تھے۔ کوئی سلطنت ایسی نہ تھی جو اِن کے خوف سے لرزہ براندام نہ ہو۔ ص ۴۴ (دیکھئے مولف صاحب نے ہماری تائید کردی ہے سلجوقیوں کی تعریف ہو رہی ہے۔

"شہر ہرات کا انہوں نے محاصرہ کر لیا اور لوٹنا چاہا تو بادشاہ غور شہر کے پھاٹک پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ اور اپنا تمام مال واسباب منگوا کر ڈھیر کر دیا۔ اِس کی رحمدلی اور نرم مزاجی دیکھ کر مقامی اسمٰعیلیوں اور باطنیوں کے اکثر داعیوں نے اُس علاقے میں پھر پھر کر لوگوں کو بہکانا شروع کر دیا۔ جس کی وجہ سے ہر طرف ایک شور اور ہنگامہ پیدا ہو گیا۔ تب اُس نے مجبوراً تمام اسمٰعیلیوں کو اپنی قلمرو سے نکال دیا اور یہ پُورا علاقہ باطنیوں کے شر سے پاک ہو گیا" ص ۴۵ (یعنی باطنی شر پر تھے)

اور اِن کے ساتھ خواجہ صاحب کو وہاں سے روانہ ہو جانا پڑا۔ اُنہوں نے

ہندوستان کی راہ لی۔ جہاں تاتاریوں کے آنے کی اُمید نہ تھی۔ دیکھئے تاتاری مسلمانوں سے ہمارے یہ باطنی بزرگ کس قدر خائف تھے۔ جب تاتاریوں نے عباسی حکومت کو سنبھالا دیا تھا۔

خواجہ صاحب کے ہم عصر فاضل مؤلف لکھتے ہیں۔ خواجہ صاحب کا زمانہ اسلام (باطنی) کے لئے گوناگوں مصائب اور ابتلا کا دور تھا۔ تاہم یہی دور ہے جس میں اسلام کے (یعنی باطنی اسلام کے) بڑے بڑے مفکر و مشائخ و اولیاء اور عظیم بزرگ پیدا ہوئے۔ مثلاً

۱۔ حضرت خواجہ شمس الدین تبریزی	۲۔ خواجہ شہاب الدین
۳۔ فرید الدین عطار	۴۔ بہاؤ الدین ملتانی
۵۔ ضیاء الدین سہروردی	۶۔ خواجہ وجیہہ الدین
۷۔ احمد کبیر رفاعی	۸۔ شیخ یاسر
۹۔ فخر الدین رازی	۱۰۔ محی الدین ابن عربی

یقیناً یہ سب آسمان طریقت کے درخشندہ ستارے تھے۔ خواجہ صاحبان اور سند یافتہ اولیا تھے جو ان کے ناموں سے ظاہر ہے۔ دین پر ان کے خطابات دیکھئے۔ تاتاریوں نے اُن کی خبر لینا شروع کی تو سب پراگندہ ہو گئے۔ انہیں دور دراز مقامات پر جا کر روپوش ہونا پڑا۔ اور اُن کے بعد کوئی ایسا ولی پیدا نہ ہوا جو عرش پر حجاب کے اندر جھانک سکتا یا تحت الثریٰ میں اٹھارہ ہزار عالم آباد دیکھتا۔

خواجہ صاحب کی شادی "خواجہ صاحب کی تمام عمر نفس کے خلاف جہاد اور اسلام کی اشاعت میں گزری۔ اِس دوران میں شادی کے متعلق سوچنے کا وقت ہی نہ ملا۔ چنانچہ عمر مبارک نوّے سال کی ہو چکی تھی اب اس سنّت نبوی کی تکمیل کرنا چاہتے تھے" ص ۱۰

اخبار الاخیار کا بیان ہے کہ سیّد وجیہہ الدین مشہدی گورنر اجمیر کی ایک

صاحبزادی عصمت و عفت سے آراستہ سن بلوغ کو پہنچ گئی تھی۔ شوہر کی تلاش تھی سیّد وجیہہ الدین نے ایک شب خواب میں حضرت امام جعفر صادق کو دیکھا۔ وہ فرما رہے ہیں کہ اے فرزند حضور رسالت مآب کا ارشاد ہے کہ تم اپنی لڑکی کا عقد خواجہ معین الدین سے کر دو۔ انہوں نے اس خواب کا ذکر حضرت خواجہ سے کر دیا۔ خواجہ نے فرمایا میری آخری عمر ہو گئی ہے۔ لیکن جب پیغمبرؐ کا ارشاد ہے تو تعمیل ارشاد سے کوئی چارہ نہیں"۔ ص ۲۔

مشہدی صاحب کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ مذہب شیعہ اثنا عشری کے پابند تھے۔ بڑے ہی نیک نفس اور پرہیزگار تھے اور اولیاء اللہ کے زمرے میں شامل تھے۔ ان کی حضرت خواجہ سے صحبت بڑھی اور وہ آپکے نہایت ہی گرویدہ ہو گئے۔

غالباً ناظرین نے محسوس کر لیا ہو گا کہ خواجہ صاحب نے سنّت نبویؐ کی تکمیل کے لئے ایک اثنا عشری شیعہ خاتون کو پسند فرمایا۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ درگاہ شریف کے متولی صاحبان آج بھی شیعہ امامیہ جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ گو عام زائرین پر یہ بھید ظاہر کرنے کے لائق نہیں ہے۔

خواجہ صاحب کی اولیا سازی فاضل مصنف لکھتے ہیں۔ "پھر خواجہ صاحب نے اپنے کامل اور لائق خلفاء کو ہندوستان کے مختلف اطراف میں اسی کام کے لئے مامور فرمایا جو ہندوستان کے دور دراز گوشوں میں پھیل گئے۔ اجمیر میں آپنے عظیم الشان مسجد اور مدرسہ قائم کیا۔ جہاں سے لوگ دینی علم حاصل کرتے تھے۔ یہیں سے متعدد متعدد رہنمایاں اُٹھیں۔ یہ لوگ اولیاء بن کر نکلے۔ اور ہندوستان کے دُور دراز حصّوں میں بیٹھ کر خلق خدا کی رہنمائی میں لگ گئے"۔ ص ۹۲

یہ اور بات ہے کہ سات سو سال بعد جب کفر و اسلام کی جانچ ہوئی یعنی ہندوستان کا بٹوارہ ہوا تو وہ سارا تبلیغی علاقہ کفرستان قرار پایا۔

خواجہ صاحب کے مجاہدات

"بابا فرید الدین شکر گنج روایت کرتے ہیں کہ سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز سرتاج اولیائے ہند معین الدین چشتی عجیب مجاہدہ و ریاضت فرمایا کرتے تھے اکثر اوقات ایک ایک ہفتہ تک نہ کھاتے نہ پیتے" (صہ۸)

یہ غیر اسلامی ریاضت جوگیوں سے سیکھی ہوگی۔ اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی ہے۔ یہ اُس دین کے اولیاؔ کی سُنّت نہیں جس نے صاف الفاظ میں کہدیا تھا کہ لا رہبانیۃ فی الاسلام۔

"آپ ہر وقت با وضو رہا کرتے اور جب کبھی وضو ٹوٹ جاتا فوراً نیا وضو بنا لیتے کہتے ہیں سالہا سال بلکہ بقول بعضے ستر سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے رہے" صہ۸ (یہ فخر ہمارے رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی میسر نہ تھا)

"راتوں کو نیند بھی نہ کرتے تھے۔ بلکہ بیداری اور عبادت میں گذارتے۔ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں دُو بار قرآن کریم ختم کرتے تھے۔ ہر ختم کے بعد غیب سے آواز آتی اے معین الدین ہم نے تیرا ختم قرآن قبول فرمایا۔ دُوسرے اور مشاغل اِن ختموں کے علاوہ تھے" صہ۸ (یہ بھی محض افترا ہے۔ اِس قسم کی روایتیں محض روافض ہی گھڑتے ہیں)

اولیاؔ کی دُوسری اقسام

گذشتہ صفحات کے مُطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ اولیا صرف اسماعیلی باطنی ہی پیدا کرتے تھے مگر ایسا نہیں ہے۔ باطنی فرقوں کے دُوسرے گروہ بھی اپنے اولیاؔ تیار کرتے اور پیر، بزرگ، مجذوب، قطب، ابدال وغیرہ ناموں سے جانکیہ جی کے مقرر کردہ اصُولوں کے مُطابق بھیجتے رہتے تھے۔ چنانچہ شیعہ اخبار رضا کار لاہور میں بذیل تذکرہ مذکور ہے کہ۔

"ہمارے اسلامی بھائیوں یعنی حضرات اہل سُنّت والجماعت کا ہمیشہ یہ شعار رہا ہے کہ وہ ایسے مشاہیر شیعہ کو جن کا شیعہ اثنا عشری ہونا ایک مُسلمہ حقیقت ہے اپنا کر اہل سُنّت والجماعت بنا لیتے ہیں" (یکم اپریل ۱۹۶۰ء جلد ۲۸ شمارہ ۱۳)

جی ہاں اِن سُنّیوں سے ہمیں بھی شکایت ہے۔ آپ کے مشاہیر تو خیر ایّوں جیسے تھے۔ انہوں نے سکھوں کے بزرگوں کو بھی نہ چھوڑا۔ کہتے ہیں سکھوں کے گرو نانک مرے تو یہ سکھوں سے لڑنے لگے۔ کہ گرو جی ہمارے پیر تھے۔ وہ تو ہائے سکھوں کی سمجھ میں آگیا۔ انہوں نے آنکھ بچا کر جنازے میں پھول رکھ دیئے اور مسلمانوں سے کہا۔ گرو جی تمہارے جھگڑے سے ناراض ہو کر پھولوں کی ڈھیری میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ آؤ اب ہم آدھے آدھے بانٹ لیں اور اپنے اپنے طریقے پر دفن کر لیں۔ چنانچہ مُسلمانوں نے اپنے حصّہ کے پھول لیے اسلامی قبرستان میں دفنا کر فاتحہ پڑھی اور سکھوں نے وہ پھول لے کر گرو کی سمادھی پر چڑھا دیئے۔ اب دیکھئے بھولے شاہ کون تھے سِکھ یا سُنّی مُسلمان۔ آگے لکھتے ہیں۔

اسی طرح حضرت شاہ حسین مروندی لعل شاہ باز قلندر کو صُوفیہ کے مختلف شجروں میں شامل کرنے کی جدوجہد جاری ہے۔ کتاب تحفۃ الکرام اور اس سے ماخوذ روایتوں سے ثابت کیا جا رہا ہے کہ لعل شہباز، مخدوم بہاؤ الدین ملتانی کے مُرید تھے۔ حالانکہ لعل شہباز قلندر جعفری تھے۔ اور جعفری فقہ کے پابند تھے۔ اِن کے مذہب کا دوازدہ ائمہ (۱۲ امام) واہل بیت علیہم السلام کی امامت پر عقیدہ تھا۔ اور اِن کے غیر کی امامت سے بریت تھی (یعنی تبرا بھیجتے تھے) صرف چہاردہ معصُوم پر ایمان رکھتے تھے۔ خود فرماتے ہیں۔

چہاردہ تن شفیع عصیانم	مہر شاہ است عین ایمانم
غیر ازیں چاردہ نمی دانم	مدح شہ روز و شب ہمی خوانم
حیدری ام قلندرم مستم	بندہ مرتضیٰ علی ہستم"

آگے لکھتے ہیں کتاب رقم طراز سے ثابت ہے کہ مخدوم بہاؤ الدین ذکریا حضرت شہباز قلندر کے رفیق و ہمسفر تھے۔ پیری مُریدی کا افسانہ وضعی ہے۔ ملتان میں قلندر شہباز کی بہت سے علماء و مشائخ و درویشوں اور ولیوں سے ملاقات ہوئی۔ جن میں شیر شاہ جلال سُرخ پوش، بابا شیخ فرید شکر گنج اور غوث بہاؤ الدین ذکریا

آپ کے خاص ہم صحبتی و ہمراز تھے۔

مشنری صاحب بتلاتے ہیں کہ صُوفیوں کا سلسلہ طریقت خواجہ حسن بصری سے چلا ہے اور یہ اسماعیلی اُدلیا، سے مختلف سلسلہ تھا مگر یہ بھی کوئی معمولی سلسلہ نہ تھا۔ اِن کے دُو خلفا نے چودہ خانوادے جاری کئے اور پھر اِن سے بے شمار سلسلے نکلتے چلے گئے۔ ابتدائی چودہ سلسلے حسبِ ذیل تھے۔

خواجہ حسن بصری

۱۔ خواجہ حبیب عجمی

۱۔   ۲۔ کرخیہ
۳۔ طیفوریہ   ۴۔ سقطیہ
۵۔ جنیدیہ   ۶۔ گازرونیہ
۷۔ طرطوسیہ   ۸۔ فردوسیہ
۹۔ سہروردیہ

۲۔ خواجہ معروف کرخی (عبدالواحد بن زید)

۱۔ فریدیہ   ۲۔ ہبیریہ
۳۔ عیاضیاں   ۴۔ چشتیہ
۵۔ ادہمیہ

گویا جناب حسن بصری عجمی صُوفیوں کے باوا آدم تھے۔ اُن کے تمام چیلے یا مُرید عجمی تھے۔ کوئی مکّے یا مدینے کا رہنے والا نہ تھا۔ مگر سب سیّد بنے ہوئے تھے۔ اور یہ سیّد صُوفی وَلی پیر بزرگ قطب، ابدال، سمرقند، بخارا، تاشقند، سنجر، کرخ کی سرزمین نے پیدا کئے تھے۔

اب مشنری صاحب ایک اور راز طشت از بام کرتے ہیں۔ اور فخر یہ فرماتے ہیں کہ اہلِ تصوّف نے جہاں بہت سی شیعی روحانی شخصیتوں کو اپنے شجروں میں منسلک کر لیا ہے۔ وہاں لعل شہباز بلند پرواز کو شامل کرنے کی جسارت نہ ہوسکی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سرکارِ قلندر نے اپنے کلام میں شیعی امتیازات کو اِس قدر علانیہ طور پر بیان کر دیا ہے کہ اِن کا کسی اور اِسلامی فرقے سے تعلق ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انہوں نے فرمایا ہے ؎

بر ولے خارجی احمق   بشنو لے خارجی مطلق
بیش ازیں مکن دقدق   بگو یا علی است بحق
حیدری ام قلندرم مستم
بندۂ علی مرتضیٰ ہستم
من برائے اعدائے دین کمربستم   بتر صد من است در دستم
قائل ایں جمیع من ہستم   حرف لعنت زنم زبردستم
حیدری ام قلندرم مستم
بندۂ مرتضیٰ علی ہستم

جس کا مطلب صاف ہے کہ قلندر صاحب خالص حیدری شیعہ تھے۔ اِن کا تعلق نہ اسماعیلی باطنی خوجوں سے تھا۔ نہ حسن بصری کے عجمی صُوفیوں سے۔ یہ تبرّائی بارہ امامی شیعہ تھے۔ اور چودہ معصوم کو جن میں شیرِ خُدا بھی شامل ہیں پُوجتے تھے۔ اور حیدر کو نہ ماننے والوں پر لعنت بھیجتے تھے۔ اِن کو خارجی احمق کہتے تھے۔

"تاہم کھانے کمانے کے لئے اِن کو بھی صُوفیوں کے گروہ میں شامل ہونا پڑ گیا تھا۔ اور تاتاری ترک مسلمانوں کے خوف سے ہندوستان میں آکر پناہ لینی پڑی تھی چنانچہ وہ سندھیوں کے خُدا بن بیٹھے۔

اِن دیوں اور صُوفیوں کی تزویر کا پردہ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں ابوالفرج جوزی اور امام ابن تیمیہ نے چاک کر دیا تھا۔ جوزی نے تلبیس ابلیس یعنی شیطانی شرارت نامی کتاب لکھی۔ امام ابن تیمیہ نے اُسے سراہا۔ اور لکھا کہ حسن بصری کا یہ دعویٰ کہ خرقۂ خلافت اُنہیں حضرت علیؓ سے مِلا ہے محض جھُوٹ ہے۔ حسن بصری ایک عجمی مفتری تھے۔ اِن کا انتقال ۱۱۰ھ میں ہوا۔ جب کہ حضرت علی ۴۰ھ میں فوت ہو چکے تھے۔ حضرت علیؓ کی حیات میں اگر یہ شخص تھا بھی تو محض بچہ ہوگا۔ اور بچے کو خلافت دینا کیا معنیٰ۔ خلافت دینا ہوتی تو وہ اپنے بیٹے کو دیتے نہ کہ کسی عجمی مجُوسی کو۔ اور کسی روایت سے یہ بات ثابت نہیں کہ اِس بچے نے

کبھی حضرت علیؓ سے ملاقات کی تھی۔

پھر اسلام تو مجاہدوں اور موحدوں کا دین ہے۔ اس میں نہ امام پوجے جاسکتے ہیں نہ شیر بھیڑیئے اور براق یا دُلدُل۔ نہ یہاں گوشہ نشینی کی اجازت ہے۔ نہ مُفت خوری کی کہ دھرنا دیکر بیٹھ جاؤ۔ اور احمقوں کی کمائی میں شریک ہوجاؤ۔ وہ محنت کرکے کمائیں اور تمہیں پالیں۔ اور تم کھاؤ پیو موج اڑاؤ۔ اور اپنی بزرگی کی دھوم مچاؤ۔ پھر جب مرو تو اپنی قبر پُوجنے کیلئے چھوڑ جاؤ۔

چنانچہ جناب کوکن عُمری صاحب حیات امام ابن تیمیہ میں لکھتے ہیں۔

"شیخ ابوالفرج جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے پہلی بار اپنی مشہور کتاب تلبیس ابلیس لکھکر صُوفیوں کے ڈھونگ کا پردہ چاک کیا ہے اور اُن کی ہو حق اور گوشہ نشینی کو قرآن وحدیث سے شیطانی کام بتلایا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے اِس کتاب سے استفادہ کیا۔ اور ابن جوزی کی بڑی تعریف کی ہے۔

آپ نے لکھا ہے کہ صُوفیہ نے باطنیّت کے فلسفے سے متاثر ہوکر اِس قسم کی اصطلاحیں گھڑ لی ہیں کہ غوث ایک ہے جو مکّہ میں ہوتا ہے اور سات اقلیموں کے سات قطب ہوتے ہیں جن پر دین و دُنیا کے ظاہری و باطنی اُمور کا دارومدار ہے۔

رجالِ غیب (امام مستور، امام مہدی خواجہ خضر وغیرہ جو غائب اور پوشیدہ ہیں) کا نظریہ رافضیوں نے ایجاد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ بادل میں غائب ہوگئے ہیں اور شیر بن کر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ محمّد بن حنفیہ پہاڑوں میں روپوش ہیں یا محمّد بن حسن عسکری یعنی شیعوں کے امام مہدی سامرا کے غار میں غائب ہوگئے تھے اور قرب قیامت میں ظاہر ہوں گے۔ اصلی قرآن بھی اُن کی بغل میں ہے۔ یا کہا کہ (یہودی نژاد) باطنی خلیفہ ظاہر باللہ مصر میں روپوش ہے اور کسی دن ظاہر ہوکر پھر اسماعیلی حکومت قائم کرے گا۔

یہ سب صُوفیا داؤں، کو دکھائی دیتے ہیں۔ بلکہ انہیں کے بنائے ہوئے ہیں امام ابن تیمیہؒ نے مراقبہ کو غیر شرعی فعل اور ذکر یعنی ہو ہو کرنے کو بدعت بلکہ کفر

بتلایا ہے۔ اور خرقے کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ روایت کہ حضرت علی رضؓ نے حسن بصری کو خرقہ دیا تھا۔ محض جھوٹ ہے کیونکہ حسن بصری کی حضرت علیؓ سے ملاقات تک ثابت نہیں آگے لکھتے ہیں کہ علُوم باطنی اور علُوم ظاہری کا امتیاز جو شیعہ دماغ کی پیداوار ہے محض افترا ہے، رسُول اللہ نے علُوم باطنی جاننے کا دعویٰ نہیں کیا۔ نہ کسی کو سکھلایا پھر آپ کی اُمّت کا کوئی گنہگار بندہ اگر باطنی علُوم جاننے کا دعویٰ کرے تو کافر ہے۔"

(حیات ابن تیمیہ ص۳۳۱۔ مطبوعہ لاہور)

ولایت کی قرآنی تعریف

ولی اور اَولیاء کا ذکر قرآن حکیم میں بار بار آیا ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ ولی کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا ہے وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ (۶۸۔ آل عمران) یعنی مُومنوں کا ولی تو صرف اللہ ہے۔ دُوسری جگہ بتلاتا ہے کہ مظلُوم اور کمزور مسلمان اللہ سے دُعا کرتے ہیں۔ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ نَصِیْرًا (۷۵۔ النساء) یعنی اللہ اپنی طرف سے ہمیں کوئی ولی عطا فرما۔ جو ہماری مدد کرے۔ ساتھ ہی ایک جگہ فرماتا ہے۔ وَمَا کَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ اَوْلِیَاءَ یُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ "اور جو کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا اَولیا بنائے گا۔ اُس کا عذاب بڑھا دیا جائیگا"

دُوسری جگہ فرماتا ہے۔ وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ (۳۱۔ شوریٰ) "اللہ کے سوا تُمہارا ولی اور مددگار کون ہوسکتا ہے"۔

نیز فرمایا ہے کہ اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْۤ اَوْلِیَآءَ ؕ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ نُزُلًا (۱۰۲۔ الکہف) "کیا یہ کافر سمجھتے ہیں کہ ہمارے بندوں کو اپنا اَولیاء بنالیں گے تو ہم خفا نہ ہوں گے۔ ہم نے ایسے کافروں کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے"۔

بلکہ ایک جگہ مزید وضاحت فرمادی ہے کہ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْۤا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ (۷۶۔ النساء) "یعنی جو کافر ہیں وہ اپنے جھوٹے خداؤں کے لئے لڑتے ہیں۔ پس تم اِن

اِن شیطان کے اَولیاء کو قتل کردو۔

مطلب یہ کہ اَولیا تو وہی ہیں جو دین کے خادم اللہ کے فرمانبردار اور شریعت کے پابند ہوں۔ جان کے خوف سے ڈر کر بھاگنے اور چُھپنے والے اور جنگ و جہاد کے بدلے دُعا تعویذ سکھانے والے اَولیا نہیں کہلائے جا سکتے۔

تیسرا باب

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق ؛؛ نے ابلۂ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش ؛؛ میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

میراثِ بابل وَنینوا

آیئے دیکھیں وہ میراث کیا تھی جو علّامہ ترابی کے عجمی اسلاف نے ایک پروردۂ آغوشِ رسالت کے مرتبے کے بزرگ حضرت علی کو سونپ کر اُن کی نسل کو اپنا گرویدہ اور مرہونِ منت بنا لیا تھا۔ بلکہ وہی میراث ہمیں اپنے عجمی پیروں اور بزرگوں کی معرفت ملی تو ہم اور ہمارے اجداد اللہ اکبر چھوڑ کر مولا مدد اور یا علی کے نعرے لگانے لگے۔

اس بحث کو سمجھنے کے لئے ہمیں سرزمین عجم کی قدیم تاریخ سے رجوع کرنا پڑے گا۔ مگر اس تاریخ پر اتفاق سے مسلمانوں کے بجائے عیسائیوں نے اپنے دورِ عروج میں تحقیق کی ہے۔ مسلمان محض لکیر کے فقیر رہے۔ جو کچھ اُن کے عجمی بزرگ لکھ گئے اُسے قرآن سے زیادہ مستند سمجھ بیٹھے۔ وہ بابل و نینوا کی تہذیب پر تحقیق کیا کرتے خود اسلام پر تحقیق نہ کر پائے بلکہ اگر کبھی تحقیق ہوئی بھی تو اُسے چھپا دیا یا بدل دیا۔ جیسے سیّد سلیمان ندوی نے اپنے اُستاد علّامہ شبلی کی سیرت النبی میں اصلاحات فرما کر اُس کا حلیہ بدل دیا۔ اور فخریہ لکھا ہے کہ غلطیوں سے پاک فرما دیا ہے۔ جبکہ پُرانے نسخے موجود ہیں۔ اُس سے اندازہ لگایئے کہ عہدِ ماضی میں جب کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں اور نقل در نقل ہوتی تھیں۔ ایسے سعادت مند شاگردوں نے کیا کچھ نہ کیا

ہوگا جو اُستادوں کو احمق سمجھتے تھے۔

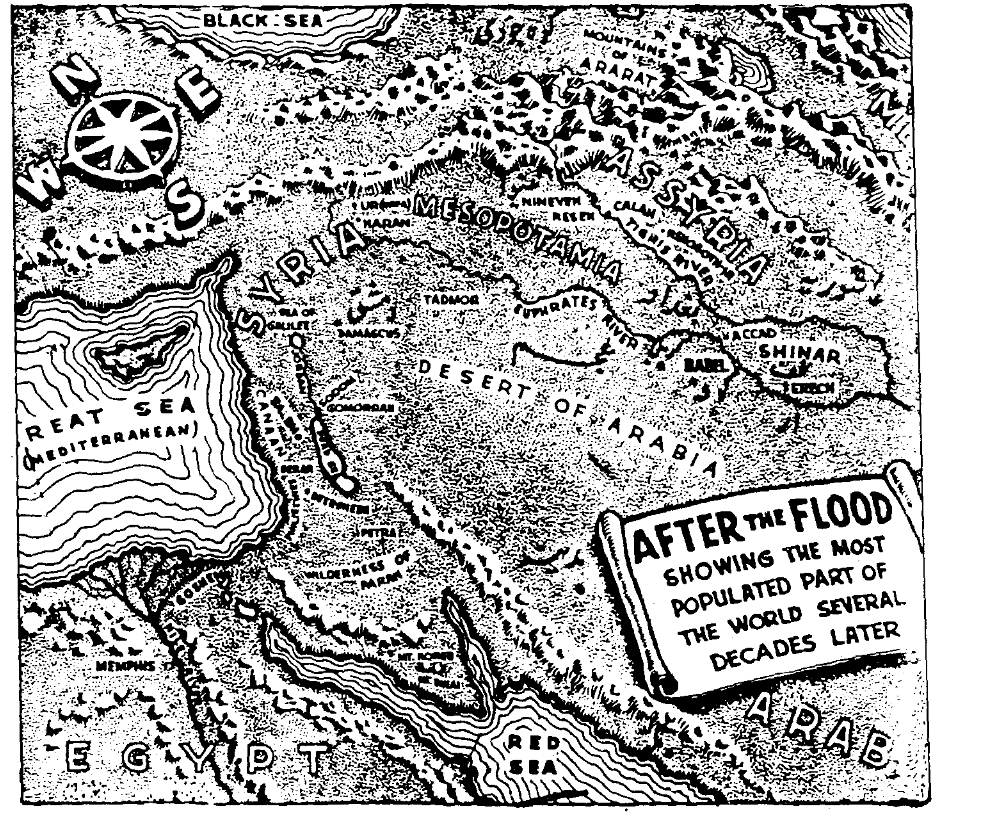
سرزمین بابل و نینوا کے بارے میں عیسائی بتلاتے ہیں کہ یہ اِنسانی تہذیب کا اولین گہوارہ شمار ہوتی ہے۔ یہاں دُنیا کے سب سے پہلے شہر آباد ہوئے۔ یہاں اِنسان نے معاشرتی زندگی کے اُصول سیکھے اور اُن کے فوائد کو محسوس کیا۔ یہیں صنعت و حرفت، تجارت و زراعت کے شعبے قائم ہوئے اور صلاحیتوں کے مُطابق مختلف افراد میں تقسیم ہوئے۔ جس سے دُنیا میں ذاتوں اور طبقوں کا تصوّر پیدا ہوا۔

یہاں پر اِنسان کو پہلی بار معلوم ہوا کہ قوی اور مضبوط افراد کو حق ہے کہ وہ کمزوروں کی حفاظت کے نام سے اُن پر حکم چلائیں اور کمزوروں کا یہ مقسوم ہے کہ وہ زبردست کی تابعداری کریں۔ وحشی زندگی میں اِنسان صرف اپنے لئے یا زیادہ سے زیادہ اپنے بیوی بچوں کے لئے محنت مشقت کرکے آزوقہ حاصل کرتا تھا۔ اب اُسے معلوم ہوا کہ قوم قبیلے یا مُلک کی خدمت کرنا بھی اُس کے فرائض میں داخل ہے۔

غُلام اور آقا یعنی بہ الفاظ دیگر اسی ارتقاء تمدن و تہذیب نے اِنسان کو آقائی اور غُلامی کے چکر میں ڈال دیا جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اچھے آقا مرنے کے بعد بھی یاد رکھنے کے قابل بن گئے اور اُن کی یادگاریں قائم کرنے کی ضرورت پڑ گئی جو مجسمہ سازی اور مصوری جیسے آرٹس کی محرک بنی۔ بعد کو اُنہی ابتدائی آقاؤں نے خُدائی مراتب حاصل کر لئے اور پُوجے جانے لگے۔ حتیٰ کہ مرنے کے بعد بھی اُن کی محبت اور اُن کا خوف دل سے نہ نکلا۔ اُن کی یادگاریں قائم کرلی گئیں۔ شبیہیں بنائی گئیں اور مجسمے تیار کئے گئے۔ پھر اُن کو خوش کرنے کے لئے دُعائیں تیار ہوئیں۔ اور دُعائیں بنانے کے لئے ایسے افراد تلاش کئے گئے جو جانتے تھے کہ خُداؤں کو خوش کرنے کے لئے کون سی دُعائیں کس وقت پڑھی جائیں۔ اُس طرح بندوں اور خُداؤں کے درمیان ایک طبقہ اُن کے سفارشیوں کا پیدا ہو گیا۔ یہی لوگ کہیں موگوش ہیں کہیں پجاری، کہیں پادری یا احبار اور کہیں مولوی پیر اور اولیائ



اس تصویر میں یونانی اور مصری خُداؤں کو یکجا کیا گیا ہے۔ یونانیوں نے اپنے سورج دیوتا کو اِنسانی شکل میں پُوجنا چاہا تو مصریوں نے اپنے اِنسانی خُداؤں کو شیر اور گدھ کی شکل میں پُوجنا پسند کیا۔ اور سب کو پُوجنے والے مِل گئے بلکہ آج بھی مِل جاتے ہیں۔



تہذیب بابل و نینوا

عیسائی مشنری آرم اسٹرانگ لکھتا ہے "انجیل مقدس کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفان نوح کے بعد جب کشتی کوہِ جودی پر آکر ٹھہری تو نوحؑ اور اُن کے ساتھیوں نے اُتر کر قریب کے میدانوں میں ڈیرے ڈال دیئے۔ یہاں دو دریا بہتے تھے۔ اور علاقہ سرسبز و شاداب تھا۔ یونانی زبان میں اس علاقے کا نام میسو پوطامیہ تھا۔ جس کے معنی تھے دو دریاؤں کا مُلک۔ تاریخ میں یہ علاقہ آسیریا یا عاشوریہ کے نام سے موسوم ہے جس کے معنی ہیں سورج کو پوجنے والوں کا ملک

حضرت نوحؑ کی قوم بھی سورج کو پوجتی تھی۔ یہاں جو پہلا شہر آباد ہوا۔ اس کا نام۔ بے بی لون یا بابل رکھا گیا جس کے معنی ہیں بھانت بھانت بولیوں اور زبانوں کا شہر۔ غالباً یہاں ایسے لوگ آکر آباد ہو گئے تھے۔ جن کی زبانیں مختلف تھیں۔ بعد کو بابل یا بے بی لون کو علم و دانش کا مرکز سمجھا جانے لگا۔ جس سے انگریزی الفاظ بائبل اور بائبلوگرافی بنے ہیں۔ مگر عُرف عام میں بابل ایسے شہر کو کہا جانے لگا جہاں کاری عام ہو۔

یہ شہر نمرود نام کے ایک قدآور، خوفناک اور ظالم شخص نے آباد کیا تھا۔ اس نے گیلی مٹی سے اینٹ بنانا اور اینٹوں کو پکا کر ان سے مکان بنانا سکھایا۔ اور مکانوں کی حفاظت کے لئے شہر کے گرد فصیل بنانا ایجاد کیا جس سے پہلی بار انسان نے خطرات سے محفوظ ہو کر اپنے گھروں میں اطمینان سے رہنے سہنے کا طریقہ معلوم کیا۔

نمرود کے معنی قدیم زبان میں خونخوار درندے یا بھیڑیئے یا شیر کے تھے یہی نمرود مختلف زبانوں اور مختلف علاقوں میں مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ تہذیب انسانی کو جنم دینے والا دُنیا میں پہلی بار بادشاہت قائم کرنے والا اور عوام کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنانے والا یہ شخص ابتدا ہی سے خدائی مرتبے پر فائز ہو گیا تھا۔ ہندوستان میں اسے اندرا کہا جاتا ہے۔ جس کے دربار میں کوہ قاف کی پریاں اور افریقہ کے دیو رہتے ہیں۔ اُس کی شبیہہ شیر کے سر والے دیوتا کی شکل میں بنائی جاتی ہے اُسے وشنو بھی کہا جاتا ہے یعنی زہریلا دیوتا جس کے چار ہاتھ اس کی بے پناہ قوت کی نشاندہی کرتے ہیں۔

مصر میں نمرود کو عوزی رِیس OSSIRIS کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اور اُسے بیل یا سانڈھ کی شکل میں پوجا جاتا تھا عوزی رِیس کے معنی قدیم مصری زبان میں تھے۔ اپنی ماں کا شوہر اور یہ ایک بڑا مرتبہ سمجھا جاتا تھا۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں نے اپنے دورِ غلامی میں عوزی رِیس کو پوجنا شروع کر دیا تھا چنانچہ صحرائے سینا میں موسیٰؑ کے ساتھ آجانے کے بعد بھی اُسے نہ بھولے جب موسیٰؑ چالیس دن تک کوہِ طور پر مشغول عبادت تھے۔ یہودیوں نے اپنے سونے کے زیورات سامری کو دے کر ایک بچھڑا بنوا لیا اور اُسے پوجنے لگے[1]

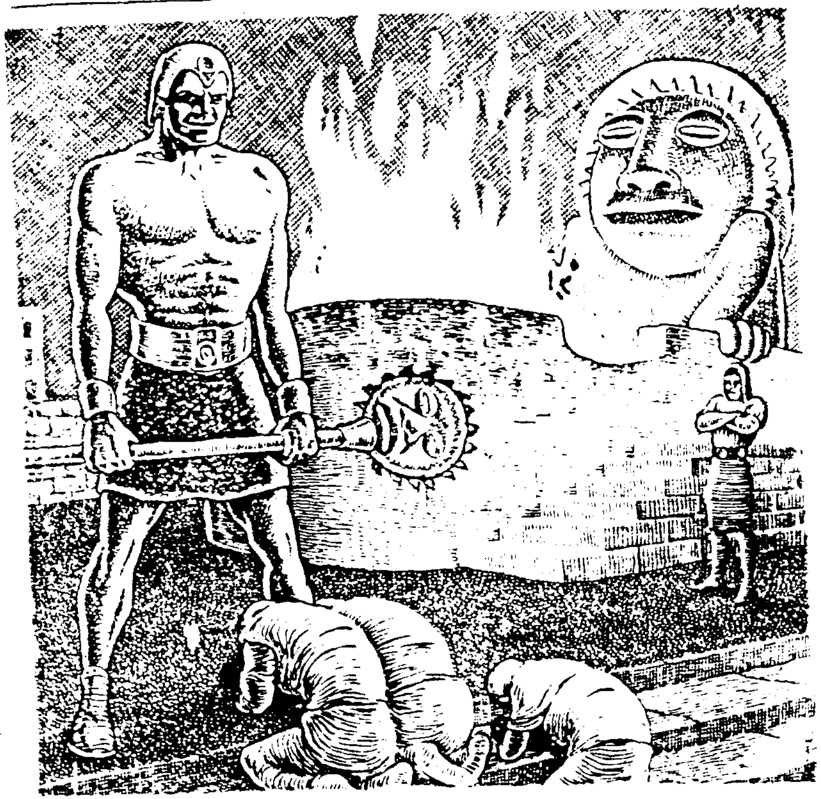
(حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھئے)

پت بون



عجمی مجوسی اُسی نمرود کو جمشید کہتے تھے۔ جم کے معنی دُنیا اور شید سے مُراد روشن کرنے والا یا ڈرانے والا۔ جس سے ساری دُنیا ڈرتی ہو۔ ایرانی اُسے سانڈھ کی شکل میں پُوجتے تھے۔ اُس کے پانچ ٹانگیں تھیں سر انسانی تھا اور پگڑی پارسیوں جیسی باندھتا تھا۔ یہ بیل ہوا میں اُڑ بھی سکتا تھا۔ قدیم زبان میں اُسے پت بون کہتے تھے۔ جو ہندی پتیا بیل یا سانڈھ ہاک کے ہم معنی ہے۔ جسکا کام افزائش نسل تھا۔ یہ ماں بہن بیٹی کا لحاظ نہ کرتا تھا۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) ؎ عوزی رس کو یہودی بھی خُدا کا بیٹا سمجھنے لگے تھے۔ قرآن حکیم نے اِس کا ذکر کیا ہے۔ وقالت الیھود عزیر ابن اللہ۔ ہمارے عجمی مفسرین کلام اللہ کی حقانیت کو کیا سمجھتے بکہ مارا کہ عزیر نام کا کوئی پیغمبر گزرا ہے۔ حالانکہ اِس نام کا کوئی پیغمبر توراۃ و انجیل میں مذکور نہیں ہے۔ ہمارے بزرگوں نے اِسی گمراہی کے تحت یہ گرُدہ نام ہم کو دے دیا ہے۔



Babylonian mothers bowing before Nimrod, high priest of the sun-god, present their babies to be purified by being sacrificed in fire.

نمرود کی خُدائی

سیریا اور یونان میں نمرود کو نائی نس کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ روم میں وہ سٹیرن مشہور ہوا یہ لفظ عربی ستر سے ماخوذ ہے جس کے معنی چھپنے اور پوشیدہ ہونے کے ہیں۔ کہتے ہیں روم سے اُسے نکالا گیا تو وہ رُو پوش ہو گیا۔ یہی دُنیا کا پہلا امام مستور ہے۔ جس کی واپسی کا بہت سی قوموں کو انتظار ہے۔ نمرود کو دُوسرے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ کہیں وہ پیٹر پان ہے (یعنی پدر بعل) اور کہیں سانتا کلاز (پنجوں والا پیرا) کہیں اوسیس فرنی (پہاڑی بھیڑیا) اور کہیں خواجہ خضر (سبز پوش بزرگ)

مختصر یہ کہ آریا نسل کے لوگ نمرود کو خدا سمجھ کر پوجتے رہے ہیں۔ کیونکہ وہ ایک چالاک اور پھرتیلا سپاہی بھی تھا۔ اور ایک اچھا منتظم بھی۔ وہ اپنے دشمنوں کو بے رحمی سے قتل کر ڈالتا یا آگ میں ڈال کر جلا دیتا تھا۔ اور مطیع و فرمانبردار دوستوں کو انعام و اکرام سے نوازتا بھی جانتا تھا۔ پس لوگ اس سے ڈرنے لگے۔ اس کا احترام کرنے لگے اور اس کی انتظامی صلاحیتوں اور فطری قیادت کے اعتراف میں اسے اپنا محافظ، رہنما، سردار یا بادشاہ تسلیم کر کے یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئے کہ یقیناً وہ انسان نہیں بلکہ انسان کے روپ میں خدا ہے۔ اور پوجنے کے لائق ہے۔

نمرود کی تصویر پھر دیکھئے وہ تکبر و غرور سے مدہوش ہاتھ میں گرز لئے کھڑا ہے۔ چند کمزور اور بے سہارا عورتیں جذبۂ عبودیت و پرستش سے سرشار اس کے سامنے سر بہ سجود ہیں اور اپنے بچوں کو جو یقیناً ناجائز اولاد تھی سورج دیوتا کی بھینٹ چڑھانے کے لئے پیش کر رہی ہیں۔ اس سے ان عورتوں کو کیا ملے گا؟ شاید اجر عظیم اور ثواب دارین کی امیدوار ہوں گی۔ یا صرف نجات کی طالب ہوں۔

اور نمرود کو کیا مل رہا ہے۔ تسکین تکبر و ملکیت یعنی اس کے خدا بننے کی خواہش پوری ہو رہی ہے۔ نمرود خدا بن کر خوش ہے۔ اور معصوم بچوں کو آگ میں جلا رہا ہے تاکہ اس کی قوت و قہاری کا مظاہرہ ہو۔ اور اس کے پرستار اس کی خوشی سے خوش ہیں۔ اس خوشی کو حاصل کرنے کے لئے اپنے گوشت پوست اپنے خون جگر سے پالے ہوئے معصوم بچوں کو قربان کر دینے کے لئے تیار ہیں۔ اسے کہتے ہیں روحی و روح العالمین فداہ —— شہر بابل کے باشندوں کا بادشاہ، امام یا خدا بننے کے بعد نمرود نے (جو شیطانی خصوصیات کا حامل تھا) لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے شیطان کو پوجنے کی رسم نکالی۔ اس نے شیطان کو مریخ اور بعل کے نام دیئے۔ سریانی زبان میں مریخ کے معنی مالک اور سرکار کے ہیں اور بعل دل کو کہتے تھے۔ دل انسانی جسم میں مرکزی اہمیت کا حامل ہے۔ اس لئے تبلایا کہ شیطان بھی کائنات میں مرکزی اہمیت رکھتا ہے۔ نمرود کو معلوم تھا کہ شیطان آگ سے بنا ہے۔ پس آگ کی پرستش بھی اس نے

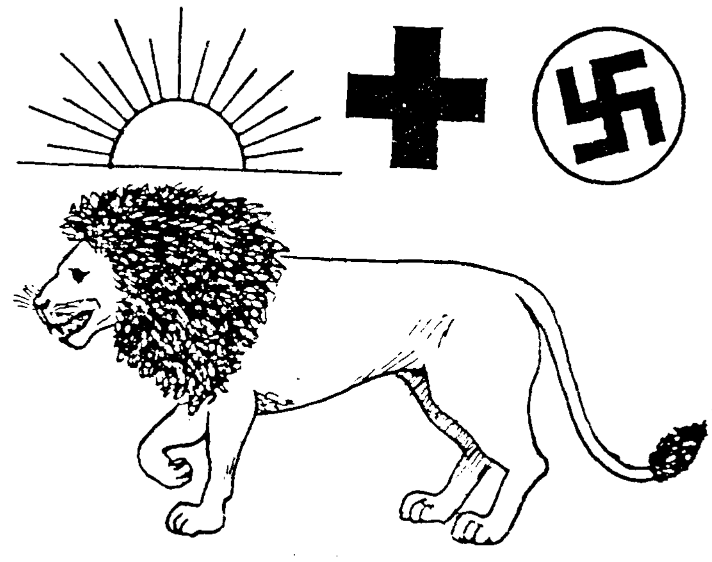
لازم کر دی۔ اور آگ کو ہمہ وقت روشن و محفوظ رکھنے کے لئے اس نے بڑے بڑے آتش کدے بنوائیے جو قدیم زبان میں ار (UR) کہلاتے تھے۔ ار کے معنی ان کی زبان میں آگ کے تھے۔ یہ لفظ آج بھی آریائی زبانوں میں مستعمل ہے۔ فارسی میں ارمغان یعنی مجوسیوں کی آگ کا لفظ موجود ہے۔ یورپ اور ہندوستان میں ارنہے (URN) اس برتن کو کہتے ہیں جس میں مردوں کی راکھ رکھی جاتی ہے۔ گر نمرود کے زمانے میں ار اس جگہ کو بھی کہتے تھے جہاں آگ محفوظ رکھی جاتی تھی۔ قدیم نقشوں میں بابل اور نینوا کے قریب ار نام کے دو شہر دکھلائے جاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان آتش کدوں کے گرد و نواح میں بستیاں بس گئی تھیں۔

ان آتش کدوں میں بعل کے مجسمے نصب کئے جاتے اور دروازوں پر بادشاہ نمرود کا مجسمہ شیر کی شکل میں رکھ دیا جاتا تاکہ اس کی نمائندگی کرے اور اس کے ہمہ وقت اور ہر جگہ موجود ہونے اور عوام کو دیکھتے رہنے کا احساس دلائے۔ پس جو لوگ اس مندر سے اپنے چولہوں کے لئے چند چنگاریاں لینے جاتے ان پر لازم آتا کہ مندر کے مالک بعل اور اس کے بڑے پجاری نمرود کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت پیش کریں۔ اور ان کی عظمت کا اعتراف کریں۔

کہتے ہیں نمرود جس سے ناراض ہو جاتا اسے آگ میں جھونکنے کا حکم دیتا تھا چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کو بھی اسی آگ میں ڈالا گیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے وہ آگ سرد کر دی اور حضرت ابراہیمؑ کو بچا لیا چنانچہ آریوں نے حضرت ابراہیمؑ کو بھی ایک خدا تسلیم کر لیا مگر ظاہر ہے اس سے آگ خدا اور اس کے بڑے پجاری شبیر خدا کی قہاری میں کوئی فرق نہ آیا۔ لوگ انہیں بدستور پوجتے رہے۔ یہی لوگ جو آگ کو پوجتے تھے۔ تاریخ میں آریوں کے نام سے مشہور ہوئے۔

حضرت ابراہیمؑ بھی اسی شہر میں پیدا ہوئے اور جوان ہوئے۔ انہوں نے نمرود، اس کی آگ اور اس کے خدا بعل کو پوجنے سے انکار کر دیا۔ اور توجہ یعنی صرف ایک آسمانی خدا کو پوجنے کی تعلیم دینا شروع کی۔ تو آریئے ان کے دشمن ہو گئے اور

یہ دشمنی آریائی اور سامی نسلوں میں آج تک باقی ہے۔ آلِ نمرود جو شرک و کفر پہ مُصر رہے اور آلِ ابراہیم اُن سے محفوظ رہنے کی فکر میں رہے۔ مگر وہ کہاں تک کامیاب ہوئے یہ کہانی بھی عیسائی مشنری سے سُنیئے۔



عیسائیت اور آریا تہذیب

بابل و نینوا کی سرزمین جو آشوریہ کے نام سے موسوم تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کی زادبوم بھی ہے۔ یہاں کے لوگ اپنی آتش پرستی کی وجہ سے اُریا یا آریا کہلاتے ہیں۔ یہ یورپ اور ایشیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ سورج اور شیر کو پُوجتے تھے۔ اور آج بھی اِن دُونوں چیزوں کو کسی نہ کسی شکل میں قابلِ احترام بنائے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ ساری دُنیا میں پھیلے اور آباد ہوگئے۔ جہاں موسمی اور مقامی اثرات کی وجہ سے اُن کی شکلیں، مذاہب، زبانیں، لہجے، تہذیب اور لباس سب کچھ بدل گئے۔ مگر جو چیز نہ بدلنا تھی اور نہ بدلی وہ اُن کے معبود ہیں، یعنی سورج اور شیر۔

جرمن سواسٹیکا 卐 جو ہندوستانی آریوں کا بھی قومی نشان ہے جو سورج کی علامت ہے۔ اسے گُھما دیجئے تو سورج کی کرنوں کا منظر پیدا ہو جاتا ہے۔ عیسائی صلیب اسی سواسٹیکا کی بگڑی ہوئی شکل ہے اور اسی مبداء نور یعنی سورج دیوتا کی نشانی ہے۔ جو اب حضرت عیسیٰؑ سے منسوب ہوگئی ہے۔

شیر اور بھیڑیا بھی آریائی نسل قوموں میں قابلِ احترام جانور ہیں۔ انگریز اپنے شیر ببر کو بڑا عزیز رکھتے ہیں۔ ہندوستانی، مصری، یونانی چینی، جاپانی غرض کہ تمام قومیں شیر کا احترام کرتی ہیں۔ گو مذاہب کے بدل جانے سے اُن کی شکلیں اور صفات بدل گئی ہیں۔ چنانچہ اب عیسائیوں نے بھی محسوس کرنا شروع کر دیا ہے کہ اُن کی عیسائیت پر بابلی تہذیب کے اثرات غالب ہیں۔ امریکی رسالہ پلین ٹروتھ میں مسٹر ہرمن ہو کو اپنے عیسائی سینٹ ویلن ٹائن (خونخوار ولی) کے یومِ پیدائش کے بارے میں شکایت ہے کہ یہ کوئی عیسائی بزرگ نہ تھے جنہیں عیسائی اپنا ولی سمجھنے اور پُوجنے لگے ہیں وہ لکھتا ہے کہ۔

"کسی عیسائی پادری یا عالم سے پُوچھو یا کسی سچے عیسائی سے معلوم کرنا چاہو کہ یہ خونخوار ولی کون سے بزرگ تھے۔ یہ کب پیدا ہوئے اور کہاں پیدا ہوئے تھے۔ اور عیسائیت کے لئے اِن کی خدمات کیا تھیں تو وہ کوئی جواب نہ دے سکے گا۔

یا ۱۴ رفروری کی رات کو نوجوان مرد اور عورتیں پان کی شکل کا ایک دل جو تیر سے چھدا ہوا ہوتا ہے (♡) ایک دُوسرے کو کیوں پیش کرتے ہیں۔ اور اس رات کس بات کی اتنی خوشی منائی جاتی ہے۔ جبکہ اس رسم کا کوئی ذکر انجیل مُقدس میں موجود نہیں۔" آگے لکھتا ہے۔

"لپرکس اور ویلن ٹائن کے معنیٰ بہادر شکاری شیر دل خونخوار، اور خوفناک کے ہیں۔ اور سینٹ ولی کو کہتے ہیں لپس ایسا ولی کون ہو سکتا ہے؟ آیئے اِس کا جواب، یونانی دیو مالا میں تلاش کریں۔

یونانی اسے پیٹر پان کہتے تھے۔ بابلی زبان میں یہ پدر بعل ہے۔ بعل کا ذکر انجیل

مُقدس میں کئی جگہ آیا ہے۔ اِس دیوتا کی پُوجا نمرُود نے شروع کروائی تھی۔ نمرود بھیڑیئے اور شیر کا شکار کرتا تھا اور خود شیر دل اور خونخوار سمجھا جاتا تھا۔ اُس کی قوم نے اس کے مجسمے شیر اور بھیڑیئے کی شکل میں بنائے اور جگہ جگہ نصب کر دیئے سرزمین بابل و نینوا میں یہ تشکلیں غاروں اور چٹانوں میں آج بھی کندہ ہیں۔ نمرُود بدچلن اور آوارہ بھی تھا وہ دُوسروں کی بہو بیٹیوں سے اختلاط کرتا اور اپنی ماں بہن کو بھی نہ بخشتا تھا۔ اقوام عالم میں بدچلنی کا رواج اُسی کی خرمستیوں کی مرہون منت ہے یہی نمرُود کہیں لیپرکس ہے۔ کہیں سینٹ ویلن ٹائن کہیں وشنو اور کہیں (LION GOD) یعنی شیر خُدا اور کہیں سانتا کلاز۔ دل کے پان نما نشان میں اُسی عشق و محبت کی طرف اشارہ ملتا ہے جس کی اُس نے بنیاد ڈالی تھی۔ اسی طرح آگ اور سورج کی پرستش کی یادگار رہا ہی وہ رسمیں ہیں جن میں ہم چراغاں کرتے اور پٹاخے چھوڑتے ہیں۔ دُوسری مشرک اور گمراہ قومیں اپنے تیوہار آگ جلا کر اور اُس کے گرد ناچ کر مناتی ہیں۔ ہندُوستانی ہندُو دیوالی کے تیوہار پر جگہ جگہ آگ روشن کرتے ہیں۔ مندروں اور گھروں کو چراغوں سے سجاتے ہیں شراب پیتے ہیں۔ جوا کھیلتے ہیں اور عیاشی کا موقعہ مل جائے تو وہ بھی ثواب سمجھ کر کر ڈالتے ہیں۔ اور پارسی تو آگ کو مسلسل جلائے رکھتے ہیں۔ اور اُسی کو پُوجتے ہیں۔"

(شمارہ، ماہ فروری ۱۹۶۶ء)

نمرُود کی ماں یا بیوی

روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بابل پر کسی قوم نے حملہ کیا اور شہر کو تاراج کر ڈالا۔ نمرُود بابل چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اُس کا گھوڑا چند روز بعد چار جامہ سمیت واپس آگیا۔ مگر نمرُود کا پتہ نہ چل سکا تو اُس کی ماں اسھتر۔ ایسٹر یا عزیٰ اشطور نے جواب اُس کے بیٹے کی ماں بن چکی تھی مشہور کر دیا کہ نمرُود ایک رات پھر اسی طرح خاموشی سے واپس آجائے گا جس طرح غائب ہوا ہے۔ اور پھر اسی طرح امن و امان اور عیش و مسرت کا دور دورہ لے آئے گا۔ جیسے اُس کے عہد حکومت میں تھا چنانچہ عوام اُس گھوڑے کو لیکر گلی گلی اور کوچہ کوچہ پھرنے اور اعلان کرنے لگے کہ بادشاہ نمرُود کا گھوڑا واپس آگیا ہے۔



"مَدُّورا" (نمرُود کی ماں)"

کسی دن اِس کا سوار بھی آجائے گا۔ بس انتظار کرو۔ چنانچہ آریائی نسل کی قومیں صدیوں سے اُس کی واپسی کا انتظار کر رہی ہیں اور ہر سال اِس فرار اور واپسی کی تمثیل بطُور یادگار پیش کرتی ہیں۔ اور لطف یہ کہ عیسائی ہونے کے بعد بھی یہ اپنے قدیم مُربّی کو نہ بھولے۔ بس اتنی تبدیلی قبول کر لی کہ اب نمرُود کے نام کی جگہ اسے شیر دل ولی یا خونخوار ولی کہہ لیتے ہیں۔

۱۵ر فروری دراصل اسی سیمی رامیس یا مدّورا کے زچہ خانے سے باہر آنے

کا دن ہے۔ جب اُس نے اپنے بیٹے نمرُود سے اختلاط کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچے کو قوم کے سامنے پیش کیا تو خوشیاں منائی گئیں۔ اُس کا نام کیوپڈ رکھا گیا جس کے معنیٰ ہیں خواہش، طلب یا عشق کا دیوتا ظاہر ہے کہ ایسا ہی بیٹا یادگار کے قابل ہو سکتا تھا جو ماں بیٹے کے ملاپ سے پیدا ہوا ہو۔ اِس ماں اور اِس کے بیٹے کی شبیہ مڈورا یا میڈورینہ کے نام سے بنا کر محفوظ کی گئی ہے جو مصوری کا ایک شاہکار سمجھی جاتی ہے اور آریا نسل کی قوموں میں بے حد مقبول ہے۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ اور مریم کا تصور اسی سے لیا ہے۔

مڈورا یا میڈورینا ہمارے فارسی لفظ مادر یا انگریزی مُدر کی ابتدائی شکل ہیں جن سے بڑی ماں یا مادرِ ملت کے معنیٰ نکلتے ہیں۔

کرسمس کی حقیقت

عیسائیوں کے تیوہاروں میں تہذیب بابل کے اثرات ایک پادری صاحب لکھتے ہیں۔

"کرسمس رومیوں کے دورِ حکومت میں پہلی بار پوپ لبریئس نے منایا ہے مگر کرسمس عیسائی تیوہار نہیں ہے۔ نہ ہی مذہبی یا آسمانی احکام کے تحت منایا جاتا ہے۔ اور نہ اِس کا ذکر کہیں انجیلِ مقدس میں ملتا ہے۔ وجہ ظاہر ہے اِس کا تعلق حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے نہیں۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۷۴ء میں رومیوں کے بادشاہ آریلیئس نے یونانی دیوتا جوپیٹر کو اپنے مُلک سے نکال کر بعل دیوتا کو رومیوں کا سرکاری دیوتا قرار دیا۔ بابل کے باشندے بعل کو ناقابلِ تسخیر سورج دیوتا کا اُوتار سمجھتے تھے اِس کی پیدائش کا دن ۲۵ دسمبر کو مناتے تھے۔ یہ بادشاہ بابل کی زیارت کو گیا۔ تو وہاں سے بعل دیوتا کے مجسمے ساتھ لایا جنہیں مُلک میں جابجا نصب کر دیا گیا۔ فائدہ یہ ملحوظ تھا کہ رومیوں کو جو یونانی دیوتا جوپیٹر کو مجبوراً پُوجنے لگے تھے اُن کا آبائی دیوتا دے دیا جائے اور ماہ ستمبر کی جگہ دسمبر کے مہینے میں جشن میلاد منانے میں یہ بھید تھا کہ دسمبر جنوری یورپ کے سخت ترین سردی کے مہینے تھے ان میں لوگ سکڑے سمٹے کونوں کھدروں میں چھپے رہتے تھے اِن کو جشن چراغاں اور

ناؤ نوش کے لالچ سے باہر نکالا جا سکتا تھا تاکہ موسم کی بدمزگیاں اور بے کاری کے اضمحلال کو بھول کر زندگی کی مسرتوں سے لُطف اُٹھائیں۔ شاید آپ پُوچھیں کہ رومیوں نے ستمبر کے خوشگوار موسم کو چھوڑ کر ۲۵ دسمبر کو سورج دیوتا کو کیوں پُوجنا شروع کیا جبکہ اِس زمانے میں سورج نکلتا ہی نہ تھا۔ نظامِ شمسی کی رو سے سورج اس تاریخ کو اپنے دورِ عروج میں داخل ہوتا ہے یعنی اسی تاریخ سے دن بڑے ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ پس سورج کے پجاری اِس کی پیدائش کی خوشی منانے لگتے ہیں۔ اِن دنوں میں جشن منائے جاتے ہیں رنگ رلیاں ہوتی ہیں۔ شراب کباب کے دور چلتے ہیں۔ کود پھاند، ناچ گانے میں دن اور رات گزر جاتے ہیں۔ اِس سے وہ لوگ بھی خوش ہو گئے جنہیں اپنا آبائی دیوتا پُوجنے کو مِل گیا تھا۔ یورپ میں آکر یہ مجبوراً یونانی دیوتا جوپیٹر کو پُوجنے لگے تھے۔ مگر اِن کو یاد تھا کہ اُن کے اپنے مُلک بابل میں سورج آگ اور شیر پُوجے جاتے تھے۔

فریزر لکھتا ہے کہ بعل دیوتا مصر سیریا اور عراق میں پُوجا جاتا تھا۔ اُس کے پُجاری رات کے بارہ بجے مندروں سے چیختے چلاتے نکلتے تھے کہ کنواری نے جنم دیا ہے اب روشنی پھیل جائے گی اور نئی صبح آئے گی وغیرہ مصری اپنے نومولود سورج دیوتا کو ایک نومولود بچے کی شکل میں لاکر مندر میں پیش کرتے تھے۔ اور وہ لڑکی جو کنواری اور اَچھوتی ہوتے ہوئے بھی بچے کو جنم دیتی تھی۔ آسمانی کنواری کہلاتی تھی۔ یہ رسم حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے ہزاروں سال پہلے سے چلی آرہی تھی۔ اور سب سے پہلی دیوی جس نے بلا باپ کے بچے کو جنم دیا تھا۔ وہی ایستھر البسٹر یا اشطور تھی جو بعل کی بیٹی کہلاتی تھی مصری اسے سیمی رامیس کہتے تھے۔ اور عوام اِس کو مڈورا یا مڈورینہ کہتے تھے یعنی قوم کی ماں یا مادرِ ملت اِس عورت کے مجسمے یورپ اور ایشیا میں جابجا نصب تھے۔ کنواری ماں اور اِس کے بچے کا تصور اقوامِ عالم نے اسی مجسمے سے لیا ہے۔

سو سال تک بعل دیوتا اُس کی بیٹی اور نواسے کو پُوجنے کے بعد یورپ میں بادشاہ کانسٹن ٹائین (قسطنطین) نے عیسائیت قبول کر لی۔ پادریوں نے اُسے مشورہ دیا کہ مُلک میں سارے مندر اجاڑ دیئے جائیں اور ۲۵ دسمبر کا تیوہار ختم کر دیا جائے۔ مگر

عوام نے اپنے تیوہار اور بُت خانے چھوڑنے سے انکار کر دیا بلکہ بغاوت پر آمادہ ہوگئے بادشاہ کی کوشش ناکام ہوئی تو اُسے مجبوراً کفر سے سمجھوتا کرنا پڑا یعنی خداوند خُدا کے ساتھ چند سے بُتوں کو بھی پُوجتے رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ پھر پادریوں کو اپنے گرجوں میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو جمع کرنے کے لئے کسی ایسے ہی حیلے کی ضرورت ہوئی تو طے پایا کہ مِڈورا کی جگہ بی بی مریم اور حضرت عیسیٰؑ کے مجسمے رکھ دیئے جائیں۔ چنانچہ اب لوگ جوق در جوق کلیساؤں میں آکر پادریوں کے وعظ سُننے لگے۔ گو اِن نئے دیوتاؤں کی شکل وصورت مختلف تھی مگر یہ اُن کو گوارہ ہوگئے البتہ اِن کی تاریخ پیدائش اور تیوہار کے دنوں میں کوئی تبدیلی منظور نہ کی گئی مجبوراً پادریوں نے اپنے نئے دیوتا یعنی حضرت عیسیٰؑ کا یوم پیدائش ۲۵ دسمبر ہی رکھا۔ تاکہ سردیوں کے موسم کی رنگ رلیاں اور خوش فعلیاں جاری رہیں۔ اور شراب و کباب کے دور چلتے رہیں۔ نتیجہ وہی ہوا جو ایسے سمجھوتوں کا ہوتا ہے یعنی لوگ حضرت عیسیٰؑ کے درسِ توحید کو بھول گئے۔ اور اُنہیں بُتوں کی طرح پُوجنے لگے ساتھ ہی اُن کی ماں بھی پُوجنے کی چیز بن گئیں۔

یہ واقعہ ۳۲۵ء کا ہے جس کی ذمہ داری پوپ لیبریس کے سر ہے حضرت عیسیٰؑ نے منع کیا تھا کہ مُشرکوں کے طور طریقے نہ سیکھنا ورنہ تم بھی مُشرک بن جاؤ گے۔ مگر پادریوں نے سمجھوتے کرلئے اور اپنے عوام کو گمراہی میں ڈال دیا۔

(ہیوبرٹ آرم اسٹرانگ)

اب ذرا ایک اور پادری سے عیسائیوں کے یوم سبت کے بارے میں سُنیئے۔

یوم سبت کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے نمرود کا کفر توڑنے کے لئے حضرت ابراہیمؑ کو پیغمبری دی اور نمرود کے مقابل کھڑا کر دیا۔ مگر ابراہیمؑ اُسے سمجھانے میں ناکام ہوگئے اور بابل چھوڑ کر مصر کی طرف بھاگ گئے۔ نمرود بدکاریاں کرتا رہا۔ وہ خاص خاص موقعوں پر شہر کی آبادی کو ترغیب گناہ دیتا اور اُنہیں آپس میں بیویاں بدلنے پر مجبور کرتا۔ ایک ایسے ہی جشن میں اُس کی

اپنی ماں الیستھر ہاتھ آئی تو اُس نے اُسے بھی نہ چھوڑا اور وہ حاملہ ہوگئی''

اللہ کے غضب کو جوش آیا۔ اُس نے ایک قوم کو بھیجا جس نے شہر بابل اور ار کو تاراج کر دیا۔ نمرود مُلک چھوڑ کر بھاگ گیا۔ حملہ آور بھی لوٹ کھسوٹ مچا کر واپس چلے گئے۔

نمرود کی ماں بڑی حرّافہ تھی۔ وہ ہنگاموں کے درمیان چھپی بیٹھی رہی جوں ہی امن ہوا وہ مندر سے باہر آئی اور اعلان کیا کہ سورج دیوتا نے اُسے حاملہ کر دیا ہے تاکہ نمرود کا جانشین پیدا ہو ۔ یہ خبر مُلک بھر میں پھیل گئی۔ بعض کو شبہ ہوا۔ مگر عوام تو جھوٹ اور وہ بھی مذہبی جھوٹ ملنے کے لئے ادھار کھائے بیٹھے رہتے ہیں۔ اُنہوں نے یقین کر لیا کہ نمرود کا جانشین اسی طرح آسکتا تھا۔

الیستھر پھر مندر میں چلی گئی اور وہیں رہی۔ ولادت کے بعد چالیس دن گزار کر جب وہ مندر سے نکلی اور شیر جیسا بچہ اُس نے قوم کے سامنے پیش کیا تو سب اُسے بچہ خُدا، خانہ زاد خُدا اور خواجۂ عالم تسلیم کرنے پر مجبور ہوگئے۔ اور بچے کی ماں کو بھی مادرِ خُدا تسلیم کر لیا۔ اِسی ماں بیٹے کے مجسمے مِڈورا کے نام سے یورپ اور ایشیا میں جابجا دکھائی دیتے ہیں

یہ باتیں پانچ ہزار سال پرانی ہیں جب اِنسان نے آسمانی خُدا کو چھوڑ کر دُنیاوی خُداؤں کو پُوجنا شروع کر دیا تھا۔ مگر اِس مکروہ رواج کا اثر اِنسانی تہذیب پر کچھ ایسا گہرا پڑا کئی صدیاں بیت گئیں۔ ہزاروں پیغمبر آئے اور چلے گئے۔ وہ توحید اور ایک خُدا کی پرستش سکھاتے رہے۔ شرک سے منع کرتے رہے مگر اِنسان وہ تعلیمات قبول نہ کر سکا۔ بلکہ پیغمبروں کے مرنے کے بعد اُنہی کو خُدا بنا کر پُوجنے لگا۔ پھر اُنہیں بھی بھول گیا۔ مگر جو چیز نہ بھولا وہ آگ سورج اور شہیر کی پرستش ہے جسے کسی نہ کسی نام سے اور کسی نہ کسی صورت میں آج تک جاری رکھے ہوئے ہے۔ ہر مذہب اور ہر فرقے میں مبداء نور اور نورانی طاقتوں کا تصوّر موجود ہے۔ نور کا بیٹا، نور کی ماں، جنت کی ملکہ، آسمان کی بیٹی ہر جگہ موجود ہیں

سب عقائد اسی بدذات

عورت سمی رامیس یا اشطور کے پھیلائے ہوئے ہیں جس کا مجسمہ ماں اور بیٹے کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔

اسی مدونیہ سے عیسائیوں نے مریم و عیسٰیؑ کا تصوّر لیا ہے۔ اور اس طرح ہندوؤں کے یہاں راجہ اندرا اور اس کی کنواری ماں کا عقیدہ موجود ہے جو سورج سے پیدا ہوئی تھی ہندوؤں میں سورج بنسی نسل موجود ہے اور ان کا یہ نسلی تفاخر عوام میں مقبول بھی ہے۔ نمرود کے بارے میں مصری قدیم کتبوں میں لکھا ہے کہ سمی رامیس نے اپنے بیٹے سے شادی کر لی تھی۔ اس لئے نمرود کا نام عوزی رس OSSIRIS پڑ گیا جس کے معنی ہیں اپنی ماں کا شوہر اور یہ ایک متبرک مرتبہ شمار ہوتا ہے۔ سمی رامیس یا اشتر نے یہ عقیدہ بھی پھیلایا کہ ۲۵ دسمبر کی شب کو ایک سوکھا درخت خود بخود شاداب ہو جائے گا۔ اور وہ رات نمرود کی واپسی کی ہو گی یعنی جس طرح خاموشی سے وہ فرار ہو گیا تھا۔ اسی طرح چھپ کر ایک شب واپس آ جائے گا اور پھر دنیا میں امن و امان قائم کر دے گا۔

عیسائیوں نے اسی سے سانتا کلاز کا تصور اخذ کیا ہے۔ جو ۲۵ دسمبر کی شب کو نکل کر بچوں میں مٹھائیاں کھلونے اور دوسرے تحائف تقسیم کرتا ہے۔ عوام سمجھتے ہیں کہ ۲۵ دسمبر حضرت عیسٰیؑ کا یوم پیدائش ہے اور یہ بھی حضرت عیسٰیؑ کی واپسی کے انتظار میں بیٹھے ہیں مسلمان اپنے امام غائب کے نکلنے کی آس لگائے ہیں۔ ہندو کسی کلنکی اوتار کے منتظر ہیں۔

اسی طرح ۱۵ فروری کا ایسٹر دراصل اسی اشطور کے ایام نفاس سے فارغ ہونے کا دن ہے جب وہ چالیس دن مندر میں چھپ کر رہنے کے بعد اپنا حرامی بچہ گود میں لے کر نکلی اور اسے قوم کے سامنے خدا کا بیٹا بنا کر پیش کیا۔ اس دن عیسائی عوام اپنے گھروں میں انڈے لٹکاتے ہیں۔ اور خوشیاں مناتے ہیں کیونکہ اشطور نے بتلایا تھا کہ وہ دنیا میں ایک طلائی انڈے کی شکل میں آئی تھی۔ اور اس کا باپ سورج ہے۔ (پلین ٹروتھ، فروری ۱۹۶۶ء)

اسلام اور بابلی تہذیب

عیسائیت کے بعد اب دیکھئے اسلام پر عجمی اثرات کتنے گہرے پڑے ہیں۔ شاید آپ یقین نہ کر سکیں گے کہ عجمی باطنیوں نے اپنی روایتوں یعنی حدیث سازی، تفسیر اور تاویل کے حربوں سے تمام آریائی عقاید کو عربی میں منتقل کر کے اسلام کو اسی طرح مسخ کیا ہے۔ جیسے یہودیوں نے عبرانی انجیل تلف کر کے صرف یونانی ترجمے باقی رکھے اور ترجموں میں جو چاہا گھٹا بڑھا دیا ہے۔ یہ کام اسلام کے اندر بھی ایک یہودی عبداللہ بن سبا اور اس کے مجوسی چیلے میمون القداح کی ذریت نے انجام دیا ہے چنانچہ شیعہ مفکر آغا سلطان مرزا اپنی مشہور کتاب البلاغ المبین میں اس کا اعتراف کرتے ہیں اور بڑے محتاط انداز میں فرماتے ہیں کہ:-

"دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس میں نمرود کے مذہب کے کچھ اثرات باقی نہ ہوں۔ اور مذہب اسلام اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ آگے لکھتے ہیں۔

① اسیریا اور بابل ایک دوسرے سے ملحق تھے۔ ان کی تہذیب و تمدن رسم و رواج ایک سے تھے۔ زمانہ قدیم میں یہی دو مہذب حکومتیں تھیں۔ بلکہ دنیا کی تہذیب کا گہوارہ تھیں۔ اہل بابل و اسیریا نے ستاروں کے علم میں بہت ترقی کی تھی۔ وہ سورج چاند اور ستاروں کی پرستش کرتے تھے اور صابئین کہلاتے تھے۔

② اہل بابل کا اصلی وطن دجلہ و فرات کا درمیانی حصہ تھا۔ اہل بابل نے رفتہ رفتہ سیریا (شام) کو بھی فتح کر لیا۔ دجلہ کے مشرق کا حصہ سیریا کہلاتا تھا۔ اہل بابل کی زبان سمیاطی تھی۔ جس کی شاخیں عربی۔ عبرانی اور سامی زبانیں ہیں۔

③ ان کا بادشاہ مطلق العنان ہوتا تھا۔ اور حکومت و مذہب دونوں کا سردار تھا۔ وہ جو حکم دیتا وہ سیاسی و مذہبی قانون ہوتا وہ رعایا سے اپنی عبادت کرواتا تھا۔ بابل کا ایک بادشاہ نمرود تھا۔ جس نے اسیریا میں جا کر شہر نینوا آباد کیا تھا۔ اس کا زمانہ ۲۲۰۰ سنہ قبل مسیح سمجھا جاتا ہے۔ اس نے سونے کا ایک بت بنا رکھا تھا اور لوگوں سے اس کی پرستش کرواتا تھا۔ جو انکار کرتا اس کو آگ

کی بھٹی (الاو) میں ڈال کر جلا دیا کرتا تھا۔ اُس کی لاتعداد بیویاں تھیں اِن کے علاوہ کنیزیں بھی رکھتا تھا۔ جن کی نگرانی خواجہ سراؤں کے سپرد تھی۔

(۴) اہلِ بابل اور اسیریا نجومیوں، کاہنوں کے بہت معتقد تھے۔ اُن کا سردار بادشاہ کے دربار کا رکن ہوتا تھا۔ بابل کے جنوبی حصّے میں مذہب کے پجاری رہتے تھے۔ وہ ستاروں کے اثر اور غیب کی باتیں بتایا کرتے تھے۔ علمِ نجوم کے یہی موجد تھے۔

(۵) اُنہوں نے خداؤں کی ایک محفل بنائی تھی جس میں خدانیاں بھی ہوا کرتی تھیں۔ اِن خداؤں میں زنا اور عورت کو بھگالے جانا عام تھا۔

(۶) اِن کا جو بڑا آدمی مرجاتا تو اس کو یہ لوگ خداؤں کے مجمع (زمرے) میں داخل کر دیتے اور اس کی پرستش کرنی شروع کر دیتے۔

(۷) اہلِ بابل کا سب سے بڑا خدا البعل تھا۔ اُس کی بیوی بھی ایک خداینی تھی۔ اِس کی عبادت ہی یہ تھی کہ مرد عورت آپس میں زنا کریں۔ وہ لوگ زنا کو عبادت سمجھ کر کرتے تھے۔ اِس کے مندر کے ساتھ نوجوان عورتوں کا ایک قحبہ خانہ ہوا کرتا تھا۔ جہاں عبادت ہی یہ تھی کہ زائرین آئیں اور زنا کریں (اب بھی زائرین وہاں سُنّت متعہ ادا کرتے ہیں)

(۸) اُن مذاہب کا اثر ہندوستان، ایران، مصر، یونان اور یورپ میں پھیلا۔ اِن کے خدا بھی آپس میں اسی طرح زنا کرتے تھے۔ اور ایک دُوسرے کی لڑکیوں اور عورتوں کو بھگالے جاتے تھے۔ (یہ اب بھی آریانسل کی خصوصیات میں داخل ہے)۔

(۹) اِن کے وہاں ہر سال عبادت گاہوں میں ایک میلہ ہوا کرتا تھا جہاں رات کے بارہ بجے تمام چراغ گُل کر دیئے جاتے اور پھر مرد، عورت مل کر ایک دُوسرے سے زنا کرتے تھے اور ماں بہن کی بھی تمیز نہ رکھتے تھے (جس کی یادگار آج بھی عیدِ غدیر کی صورت میں دیکھی جاسکتی ہے)

(۱۰) ۲۴۰۰ سنہ (ق م) میں بابل کا بادشاہ نمرود اسیریا گیا اور وہاں نینوا کا شہر آباد کیا۔ یونانی تاریخ میں اِس کا نام نائی نس ہے۔''

(البلاغ المبین حصہ دوم صفحہ ۵۶۲ تا ۵۶۴)

آغا صاحب کے اِن دس فقروں کو ایک بار پھر پڑھیئے۔ آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ باطنی اسلام کن اُصولوں پر قائم کیا گیا تھا۔ اور وہ اپنی کن خوبیوں کی وجہ سے رسُولِ عربی کے سیدھے سادے اور کھرے اسلام پر فوقیت حاصل کر گیا خاص کر ایران اور ہندستان میں اِس کی مقبولیت کے اسباب تو سمجھ میں آجانے چاہئیں جہاں عید غدیر اور عید نوروز اور عاشورے کی عزاداری دھوم دھڑام سے منائی جاتی ہے۔ پس اگر ہم حسبِ ذیل نتائج اخذ کریں تو بے جا نہ ہوگا۔ اور یقیناً آپ بھی تائید کریں گے۔

نقاب حیدری

آپ پڑھ چکے ہیں کہ دجلہ و فرات کی سرزمین سے آریا تہذیب اُبھری۔ اور جب کثرتِ آبادی یا بیرونی حملوں کی وجہ سے لوگ یہاں سے ہجرت کر کے دور دراز علاقوں میں جاکر بسنے لگے تو یہ اپنی تہذیب بھی ساتھ لیتے گئے۔ جس میں سورج، آگ اور شیر کی پرستش خاص اہمیت رکھتی تھی۔

آیئے دیکھیں اِسلام میں شیرِ خدا، اویس قرنی، خواجہ خضر نور، اہلِ بیت کیا مقام رکھتے ہیں اور ہمارے تیوہار اور اُن کی رسُوم، شبِ برات کے چراغاں اور حلوے۔ نوروز کی رنگ رلیاں، عید غدیر کی عیاشیاں اور میلاد و فاتحہ کی بدعتیں جزوِ اسلام کیوں اور کس طرح بنی ہیں اور عاشورہ محرّم کے سوگ یا سوانگ کو رسُولِ عربی کے اسلام کو کیا تعلق ہے۔

آپ کسی حبیب بنک کی شاخ پر جائیں تو دروازے پر اس قسم کے شیرِ خدا کو کھڑا دیکھیں گے۔ اِس کی جھالر دار ڈاڑھی سے شاید بعض لوگوں کو خیال آجاتا ہو کہ حضرت علی کی شکل ایسی ہی ہوگی۔ مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ اصل شیرِ خدا

کون ہے۔ اور مختلف معاشروں میں اس کی شکلیں کیوں بدلتی رہتی ہیں نمرود کو ہمارے شعراء ہمیشہ یاد کرتے رہے ہیں۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں ۔ ے

بباغ تازہ کن آئین دین زرتشتی
کنوں کہ لالہ برا فروخت آتش نمرود

یا غالب نے شکوہ کیا ۔

کیا یہ نمرود کی خدائی ہے ؎ بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا ،

یعنی آل نمرود ہمیشہ انسانوں میں خدا تلاش کرتی رہی ہے۔ بندگی اور خدائی کا جھگڑا ہماری دُنیاوی زندگی میں ہر قدم پر جلوہ نما ہے۔ کوئی پوجنے کی فکر میں ہے کوئی پھولنے کی۔ خانقاہوں اور مزاروں پر جائیے یا مندروں اور کلیساؤں کو دیکھئے سب کی رونق اُنہی جذبات کی مرہون منت ہے۔ جہاں پھولنے والے ہوں گے وہاں پوجنے والے خود پہنچ جائیں گے۔ مگر اسلام ان سب کو مشرک و کافر کہتا ہے اور ایسے لوگوں کو حقیر سمجھتا ہے جو دُنیاوی سہارے ڈھونڈتے پھرتے ہیں وسیلے تلاش کرتے ہیں۔ یا دیوی دیوتا، بزرگ ولی پیر شہید، دُلدُل اور تعزیہ کے آگے جھکتے، منتیں مرادیں طلب کرتے اور اللہ کے مرتبے کو نہیں سمجھتے۔

علامہ اقبال نے ایسے لوگوں کے بارے میں کیا خوب کہا ہے۔

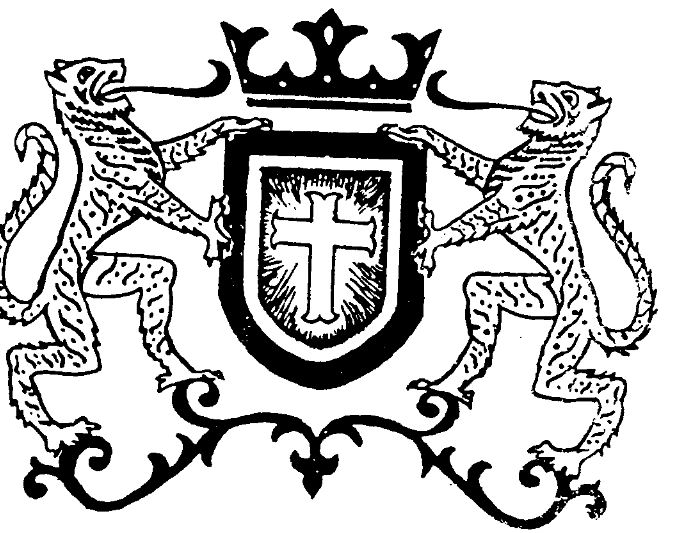
آدم از بے بصری بندگی آدم کرد ؎ گوہرے داشت ولے نذر قباد و جم کرد
یعنی از خوئے غلامی زسگاں خوار تراست ؎ من نہ دیدم کہ سگے پیش سگے سر خم کرد

یعنی انسان محض اپنی جہالت کی وجہ سے اپنے جیسے انسانوں کو پیر، ولی بزرگ یا بادشاہ بنا کر پوجنے لگتا ہے۔ حالانکہ اللہ نے اُسے بھی اسی مادے سے بنایا ہے جس سے نمرود و جمشید بنے تھے۔ پھر نمرود و جمشید کو پوجنا کیا معنی۔ کہتے ہیں کہ غلامی کے معاملے میں محض انسان کتے سے بد تر نظر آتا ہے۔ میں نے کبھی نہ دیکھا کہ کوئی کمزور کتا کسی بڑے کتے کو سجدہ کرتا ہو۔ مگر ہمارے بھائی انسان جو اشرف المخلوقات ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں جہاں کسی کو اپنے سے بہتر اور طاقت ور

دیکھتے ہیں اُس کے قدموں میں گر پڑنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

شیر پرستی

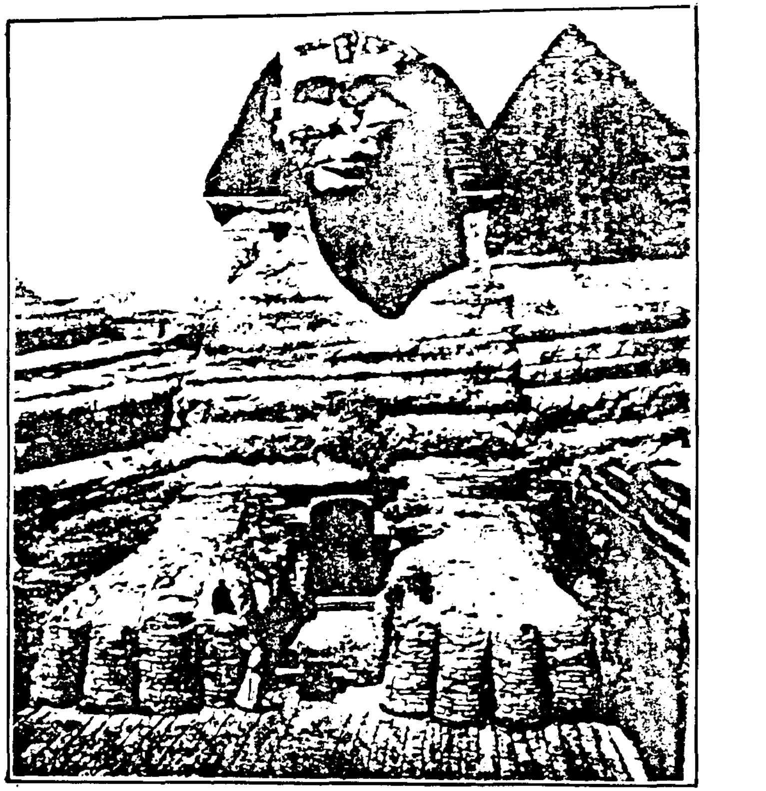
شیر کو خدا سمجھ کر پوجنے کی رسم آریائی نسل کی تمام قوموں میں دورِ قدیم سے چلی آرہی ہے۔ یا اور بات ہے کہ کوئی شیر کو اپنا خدا نہ کہے بلکہ دھوکا دینے کے لئے اسے خدا کا شیر بتلائے مگر شیر کی اہمیت یہی ہے کہ آلِ نمرود، نمرود کو شیر کی شکل میں پوجتے آئے ہیں اور مذہب و ماحول بدل جانے کے باوجود وہ اُسے بھول نہیں سکے ہیں۔ قارئین کی دل چسپی کے لئے ہم مختلف اقوام کے شیر خداؤں کی تصاویر پیش کر رہے ہیں۔



انگلش شیر خدا

انگریز گزشتہ پندرہ سو سال سے عیسائی مذہب قبول کر کے ایک نئی قوم بن چکے ہیں۔ مگر اپنے شیر خدا کو نہیں بھولے اب یہ شیر خدا اُن کی ڈھالوں اور تاجوں کی حفاظت کرتے دکھلائے جاتے ہیں۔ بعض شیروں کی شکل بھیڑیئے سے ملتی بنائی جاتی ہے۔ اور محض بھیڑیا بھی قابل احترام جانور کے طور پر نظر آجاتا ہے۔ برطانوی سکوں اور مہروں میں شیر کے ساتھ ایک گھوڑا بھی دکھایا جاتا ہے۔ یہ وہی نمرود کا گھوڑا ہے جسے یونانی، یونی کارن اور

ہندو اِچھی شیر اور مسلمان براق یا دُلدُل کہتے ہیں بعض اُوقات اِسے پردار ظاہر کرکے آسمانوں پر اُڑتا بھی دِکھایا جاتا ہے۔



مِصری شیر خُدا

مِصری شیر خُدا بیٹھے ہوئے، ریگستان میں فرعون کے مقبرے کی حفاظت کرتے ہیں۔ انگریزوں نے فرعون کی لاش مقبرے سے نکال لی اور شیر خُدا صاحب جیسے کہ ویسے بیٹھے رہے شاید اُن کو پتہ بھی نہ چلا ہو کہ نیچے کیا ہو رہا ہے یا پھر چیخ چلا کر چپ ہو رہے ہوں گے۔ انگریزوں کو نہ ڈرا سکے یہ تو صرف مِصریوں کو ڈراتے تھے اور اُن کے خُدا بنے ہوئے تھے۔



شیرنی خُدا

یونانیوں کے وہاں شیر خُدا کے ساتھ شیرنی خُدا بھی ہوا کرتی تھی جس کا چہرہ عورت کا تھا۔ بال لمبے لمبے تھے اور دُوسری خاص بات یہ تھی کہ یہ اُڑ بھی سکتی تھی انگریزی میں اسے اِسفنکس کہا جاتا ہے۔

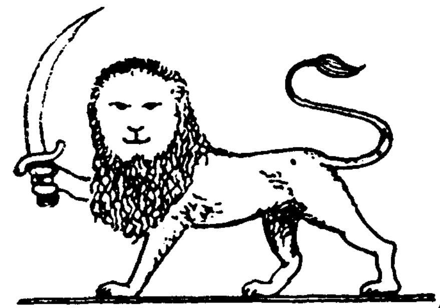
ہندو شیر خُدا

یہ تصویر ہندو شیر خُدا و شنوجی کی ہے۔ کہتے ہیں اِن کے چار ہاتھ تھے۔ مگر جسم اِنسان کا تھا۔ البتہ مُنہ شیر کی طرح بھیانک تھا۔ ——— ہم نے یہ چربہ لائف میگزین سے لیا ہے



یہ ہندوؤں کا سب سے زیادہ طاقتور خدا سمجھا جاتا تھا۔ وہ اپنے دُشمنوں کو نیست و نابود کر دیتا تھا۔ چار ہاتھوں سے اُس کی بے پناہ قوت کا مظاہرہ مقصود ہے۔ یہ LION GOD یعنی شیرِ خُدا کہلاتا ہے۔ اور دُنیا میں کئی بار مختلف شکلوں میں آ چکا ہے۔ کبھی سانپ کبھی کچھوا اور کبھی سُوّر بن کر آیا پھر رام اور کرشن کی شکلوں میں آیا۔ اب کلنکی اُوتار بن کر کسی برہمن کے گھر پیدا ہونے والا ہے۔

ایرانی شیرِ خدا



آپ کسی ایرانی ہوٹل میں جایئے تو ہاتھ میں تلوار لئے تین ٹانگ پر کھڑا شیرِ خُدا نظر آئے گا۔ جس کی پیٹھ پر سورج دہک رہا ہوگا۔ اور ساتھ کہیں ایک طغرا لٹک رہا ہوگا۔ جس پر لکھا ہوگا۔ ؎

شیر یزداں شاہ مرداں قوتِ پروردگار
لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار،

اور آپ سمجھ جایئے گا کہ یہ شبیہ یقیناً حضرت علی کی ہے۔ جن کی ذوالفقار مشہور ہے کہ ایسی تلوار نہ کبھی بنی نہ بن سکے گی۔ ذوالفقار ہڈی توڑنے کے چاپڑ کو کہتے ہیں۔ جسے حضرت علی بطور تلوار استعمال کرتے تھے۔ یہ چاپڑ پہلے ابوجہل کے استعمال میں تھا۔



پاکستانی شیرِ خدا،

ہندوستانی اسماعیلی خوجے عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت علی وشنو دیوتا کے دسویں اُوتار ہیں اور یہ بات اُن کی مذہبی کتاب میں درج ہے

رجس کا نام دسا اُوتار ہے۔ یہ کتاب قران کی جگہ پڑھی جاتی ہے ہندوؤں کے ویدِ مقدس میں وشنو دیوتا کی تعریف کچھ اس طرح درج ہے

شلوک۔ اِس دُنیا کو وشنو دیوتا تین قدم میں ناپ لیتا ہے۔ ساری دُنیا اِن کے قدموں میں ہے۔ یجر وید $\frac{5}{15}$

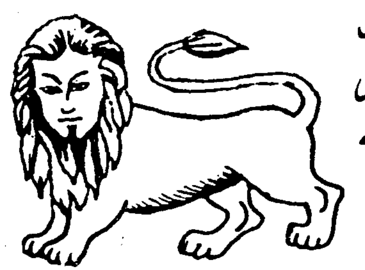
چنانچہ لائن پریس نے اُن کی یہ تصویر پیش کی ہے۔

حضرت علی کے بارے میں مُسلمانوں کے پاس بھی ایک روایت ہے جو حسبِ حال ہے۔ مگر اس میں دُنیا کی جگہ قرآن کا ذکر ہے۔ ؎

قدم تا قدم ختم کرتے تھے قرآن
ہے مشہور دوراں کرامت علی کی !

نہ جانے یہ کون سا قرآن تھا۔ غالباً دسا اُوتار ہی ہوگا۔ ورنہ ہمارا قرآن تو رسُولؐ بھی اس طرح ختم نہیں کر سکتے تھے۔

لیکن حبیب بنک والے چونکہ بارہ امامی شیعہ ہیں وہ نہیں چاہتے تھے کہ پاکستانی عوام کو پہچاننے میں دقت ہو اس لئے اُنہوں نے اپنے شیرِ خُدا کی شکل **شاہ سعود** سے ملا دی ہے



پہلے ایرانی شیرِ خُدا کی نقل کی تھی جسے شاہ ایران نے پسند نہ کیا۔ وہ اُن کا قومی نشان تھا۔ اب شاہ سعود کی شکل کا شیر بنا کر مُطمئن ہیں ظاہر ہے کہ شاہ زندہ نہیں ہیں جو اعتراض کریں۔

حُکومت پاکستان کو یہ گندہ قومی نشان مٹا دینا چاہیئے جس کے ذریعہ ملک میں شیعیت پھیلائی جا رہی ہے۔

حضرت علی کو شیرِ خُدا بنانے کے لئے بہت سی حدیثیں بنائی گئی ہیں۔ ایک جگہ کہا گیا ہے کہ اِن کی ماں نے نانا کے نام پر اِن کا نام اسد رکھا تھا۔

ابوطالب نے اُسے بدل کر علی کر دیا۔ مگر ماں اسد ہی پکارتی رہی پھر عجمی مجوسیوں نے بھی اُن کو اسد بلکہ اسد اللہ پکارنا شروع کر دیا۔ دُوسری روایت ہے کہ جنگِ خیبر میں حضرت علیؓ ایک رزمیہ نظم پڑھ رہے تھے جس کا ذکر کچھ اس طرح ہے کہ۔

شیروں کو موزِ ضعیفا اور ہاتھیوں کو پَشّہ ناتواں سمجھنے والا یہی وہ ضیغم اسلام ہے جو رزم گاہ خیبر میں ڈکارتا ہوا اور گرجتا ہوا مرحب کے سامنے آیا۔

(پیامِ عمل لاہور، ماہ فروری ۱۹۶۳ء)

انا اللذی سمتنی اُمی حیدرا — یعنی میری ماں نے میرا نام شیر رکھا ہے۔ میری

کلیث غابات کریہ المنظر — شکل جنگلی شیر کی طرح بھیانک ہے۔"

حالانکہ اُس نعرہ میں کریہ المنظر کا استعارہ صاف بتا رہا ہے کہ یہ کسی دُشمن اسلام کی شرارت ہے حضرت علی خود اپنی صُورت کے بارے میں نہ کہہ سکتے تھے کہ میری شکل کریہ المنظر ہے کریہ المنظر کے معنیٰ ہیں گھناؤنی یا جسے دیکھ کر کراہت معلوم ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام باطنی شرارتیں ہیں اِن روایتوں سے حضرت علی کی توہین کی گئی ہے۔

بھائی مُسلمانو عقل سے کام لو، تمہارے اجداد کا دورِ جہالت گزر گیا۔ اُنہیں دھوکا دیا گیا اور وہ دھوکا کھا گئے۔ حضرت علی کو شیرِ خُدا سمجھنے لگے اور پُوجنے لگے حالانکہ قرآن حکیم نے اِنسان کو اشرفُ المخلوقات قرار دیا ہے۔ اُسے جانور کہنا یا اس کے مشابہ بتانا اس کی توہین ہے۔ یہ آریا مجوسیوں کی شرارت تھی کہ اُنہوں نے اپنے شیرِ خُدا کی نقاب ہمارے سیّدنا علیؓ کے چہرے پر ڈال کر مُسلمانوں کو گُمراہ کر دیا۔ مگر تم تو رسُولِ عربیؐ کی اُمّت ہو تم شیر کو کیوں پُوجنے لگے۔ اور مجوسیوں کے فریب میں کیوں آتے۔ اب بھی موقعہ ہے توبہ کر لو اور ایمان دُرست کر لو۔

حضرت علیؓ کو انسان سے حیوان اور حیوان سے خُدا بنانے میں جو کچھ ہوا ہے۔ اِس کا احاطہ کرنا دُشوار ہے۔ صِرف یہ چند خطابات دیکھئے اور سوچئے کہ یہ اُن کو کس نے دیئے ہوں گے۔ آپکے رسُول مقبولؐ نے عرب مُسلمانوں نے یا عجمی مجوسیوں

نے جو اپنی غلام ذہنیت کی وجہ سے شیطان کو بھی عزت و احترام سے حضرتِ شیطان یا خُدا رسٹر کہتے ہیں۔

(۱) شیرِ یزداں، یعنی شیرِ خُدا LION GOD

(۲) شاہِ مَرداں، یعنی مُردوں کا بادشاہ اور مردانگی صرف مجوسیوں کا حق ہے۔

(۳) قوّتِ پروردگار، یعنی خُدا کی طاقت رکھنے والا۔

(۴) حیدرِ کرار، یعنی بار بار حملہ کرنے والا شیر۔

(۵) صفدر، یعنی صفوں کو درہم برہم کرنے والا۔ یہ مرکب لفظ ہے نیم عربی نیم فارسی صف و در سے بنا ہے۔ دریدن پھاڑنا اس کا مصدر ہے۔

(۶) باب العلم۔ کہتے ہیں یہ خطاب رسُول اللہؐ نے دیا تھا۔ ایک حدیث میں ہے کہ انا مدینۃ العلم وعلی بابہا۔ اِسی لئے حضرت علی باب العلم مشہور ہوئے۔ مگر ہمیں مدینۃ العلم ہی سے اتفاق نہیں۔ کیا رسُولؐ نے کوئی شہر نہیں دیکھا تھا چھوٹے سے گاؤں میں بھی، آنے جانے کے دُو راستے ہوتے ہیں اور شہر میں اگر فصیل والا شہر ہو تو کم سے کم چار در رکھے جاتے ہیں۔ ایک در کا شہر کیا معنیٰ ہاں مدینہ کی جگہ مُشکایا بدھنا کہتے تو ہم مان لیتے اور حضرت علی کو۔ باب العلم کی جگہ بابِل علم تسلیم کر لیتے۔

(۷) ابو تراب۔ زمین کا باپ، یونانی اپنے خُدا کو جوپیٹر کہتے تھے جس ہیں جو بمعنی زمین اور پیٹر باپ ہے۔ اب مُسلمانوں کے جوپیٹر حضرت علی ہیں خیر یہ مبارک ہو مگر ہم علی کو جوپیٹر سے افضل سمجھتے ہیں۔

(۸) ضرغام۔ غضنفر، قسورہ، ضیغم، جعفر، باقر، متقدی وغیرہ عربی میں شیر کیلئے سو الفاظ ہیں۔ باطنیوں نے وہ سب نام حضرت علی اور اُن کی اولاد کو دیدیئے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے ابھی پڑھا ہے اور مُسلمانوں نے اُنہیں قبول کر کے گُمراہی مول لی ہے جس کی سزا مل رہی ہے کہ رُسوا اور ذلیل ہیں پھر بھی نعرہ حیدری نہیں چھوڑتے۔ اور اللہ اکبر کی اہمیت نہیں سمجھتے یا اللہ پکارتے شرماتے ہیں اور مُسلمانی کے دعویدار بھی ہیں۔



بھیڑ یا خدا

گزشتہ صفحات میں آپ نے پڑھا کہ اہلِ بابل و نینوا اپنے بادشاہ نمرود کو شیر یا بھیڑیے کی شکل میں پوجتے تھے آریانسل کے لوگ دوسرے ملکوں میں جاکر آباد ہوئے تو اپنے معبودوں کو ساتھ لے گئے۔ اور جب اُن کو اپنا مذہب بدلنا

پڑا تو اُنھوں نے اپنے پرانے معبودوں کو نئے ناموں سے شریک عقائد کرلیا۔ جیسے عیسائیوں نے لُپرکس اور سینٹ ویلنٹائن ایجاد کرلیے اور بھیڑیے کی یادگار قائم رکھی۔ —— یہ تین سر والا بھیڑیا وہی نمرود ہے جسے زی اُس یا جو پیٹر نے یونان سے نکال پھینکا تھا۔ مگر عیسائیت نے جو پیٹر کو نکال کر بھیڑیے کو پھر بلا لیا۔

اب اگر ہم بتلائیں کہ یہ بزرگ یعنی بھیڑیا خدا اصحاب مسلمانوں میں بھی گھسے ہوئے ہیں تو آپ کو حیرانی ہوگی۔ اچھا یہ کہانی اپنے بزرگوں سے سُنئے آپ کے بزرگ جھوٹ تو نہ بولتے ہوں گے۔

آپ کے محترم بزرگ زیڈ اے بخاری اٹھارہ سال ریڈیو پاکستان سے شام غریباں اور یا علی حیدر کے نعرے سارے عالم اسلام کو سنانے کے بعد وظیفے پر ہوئے تو اسی کارِ خیر سے لگ گئے ہیں۔ آپ روزنامہ "حریت" میں محفل چہار شنبہ منعقد فرماتے ہیں۔ اور ہر ہفتے کسی باطنی بزرگ ولی۔ پیر یا فقیر کی کرامات بیان کرکے اخبار سے اُجرت اور قوم سے ستائش وصول کر رہے ہیں۔ آپ نے ۱۶ اپریل ۱۹۶۶ء کے شمارے میں حضرت اویس قرنی کے حالاتِ زندگی پر روشنی ڈالی ہے۔ طوالت سے بچنے کے لئے ہم صرف چند فقرے جو حضرت داتا گنج بخش کی کتاب کشف المحجوب سے منقول ہیں۔ پیش کرتے ہیں۔

(۱) اویس قرنی تابعین رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔

(۲) رسول اللہؐ کے زمانہ پاک میں آپ موجود تھے۔ مگر اُن کے دیدار کا شرف حاصل نہ کرسکے۔ اس کے دو اسباب تھے۔ ایک تو اویس قرنی پر جذب کا غلبہ رہتا تھا۔ دوم یہ کہ وہ اپنی والدہ محترمہ کا حق ادا کرنے میں مصروف تھے۔

(۳) جب حضرت علی کے زمانہ میں فتنہ برپا ہوا۔ آپ جنگ صفین میں حضرت علی کی طرف سے لڑے اور راہِ حق میں شہید ہوئے۔

(۴) جب حیات تھے تو رسول اللہؐ نے بکمال شفقت فرمایا کہ قبیلہ قرن (عراق) میں ایک مرد ہے جس کا نام اویس ہے۔ اس کا قد درمیانہ

ہے۔ اِس کے بال لمبے ہیں اِس کے ہاتھوں کی ہتھیلیوں اور پہلو پر درہم کے برابر داغ ہیں۔ وہ میری اُمت کی شفاعت کرے گا۔ جب تم اِس کو دیکھو تو میرا سلام کہو۔ اور کہنا کہ میری اُمت کے لئے دُعا کریں۔

(۶) لوگ اویس قرنی کے رتبے کو پہچانتے نہ تھے۔ اُنھوں نے کہا اویس تو ایک دیوانہ ہے۔ آبادی سے دُور پہاڑوں میں رہتا ہے۔ پتہ پُوچھ کر حضرت عُمر اور حضرت علی اویس قرنی کے پاس صحرا میں گئے۔ ان کے جسم کے داغوں کو دیکھ کر پہچان لیا۔ اور پیغمبر اِسلام کا سلام پہنچایا۔ اور اُمت محمدیہ کیلئے دُعا کی فرمائش کی۔

(۷) حضرت اویس قرنی نے دُعا کی اور کہا آپ واپس جائیں قیامت آنے والی ہے میں قیامت کا سامان بہم پہنچا رہا ہوں۔ ہماری قیامت کے دن ہوگی۔

اِن سات فقروں میں چھُپے ہوئے مفسدہ انگیز جھوٹ دیکھیے۔

(۱) تابعی وہ ہے جو وفات رسُول کے بعد پیدا ہوا۔ تابعی رضی اللہ عنہ نہیں کہلاتا۔ یہ خطاب صرف صحابہ کرام کے لئے مخصوص ہے۔ جو حضُور کے لئے قربانیاں دینے والوں کو ملا تھا۔ ہر کس و ناکس رضی اللہ عنہ نہیں ہوتا۔ ورنہ ابوجہل اور ابوطالب بھی رضی اللہ عنہ کہلاتے۔

(۲) یقیناً یہ ان کی بدبختی تھی کہ حضُور کی خدمت چھوڑ کر ماں کی خدمت فرماتے رہے۔ مسلمان تو ماں باپ کو ان پر قربان کرتے رہتے تھے پھر جذب کے عالم میں تو انسان دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ یہ کیسا جذب تھا جس نے اُسے رسُول سے دور اور ماں سے قریب کر دیا۔ کہیں یہ اشارہ عوزی رس کی جانب تو نہیں۔ جی ہاں اِسی کی طرف اشارہ ہے اور یہ باطنی کمال ہے۔

(۳) مجذوب صاحب کو معلوم تھا کہ علی کے ساتھ عبداللہ بن سبا یہودی اور مالک اشتر مجوسی ہے۔ پس آپ بھی اُن کے ساتھ ہو کر عربوں سے لڑے اور جذب بھول گئے۔

(۴) سراپا ملاحظہ ہو اویس قرنی کے پنجوں اور پہلو پر داغ تھے جیسے

گلدار کے ہوتے ہیں۔ رسُول عربیؐ اُس کو سلام کرتے تھے، اور اپنی اُمت کی شفاعت بھی اُسی کے حوالے کرگئے۔

◯ اویس کو لوگ پاگل سمجھتے تھے۔ مگر رسُول نے بِلا دیکھے ہی اُن کی عظمت پہچان لی اور اُن کو سلام کرنے لگے۔ حالانکہ کبھی قیصر و کسریٰ کو سلام نہ کیا تھا۔

◯ حضرت عُمرؓ علیؓ کے ساتھ عراق گئے۔ اور دیوانے کو جنگلوں میں تلاش کر کے رسُول کا سلام پہنچایا۔ یہ جھوٹ رافضی ہی لکھ سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کبھی عراق نہیں گئے تھے۔

◯ اویس قیامت کی تیاری کر رہا تھا۔ یعنی یہ وہی قائم القیامۃ ہے جسے شیعہ امام غائب کہتے ہیں۔ اُس نے عمرؓ کو دھمکی دی کہ تم نے علی کا حق دبا رکھا ہے میں قیامت میں تم سے سمجھ لوں گا۔ لیکن حضرت عُمرؓ نے اُس کی دھمکی کی پروا نہ کی اور اویس قرنی کی تیاریاں رائیگاں گئیں۔ یعنی قیامت نہ آئی۔

افسوس ایسے برگزیدہ، بزرگ و مجذوب کی فاتحہ سال میں صرف ایک بار شب برأت ہی میں ہوتی ہے حالانکہ ہر ماہ بلکہ ہر ہفتے ہونی چاہیئے تاکہ حلوہ کھانے کو ملے اور رسُول بھی خوش ہوں جو اُس کو سلام کرتے تھے اور اُمت کی شفاعت اِسی کے حوالے کرگئے ہیں۔ جی ہاں وہی حیدر کا ساتھی اویس قرنی۔

اب بھی آپ کی سمجھ میں نہ آئے تو سر پیٹنے کا مقام ہے۔ اویس کے معنی، بھیڑیا اور قرنی کے معنی پہاڑی کے ہیں۔ یعنی اویس قرنی وہی پہاڑی بھیڑیا ہے جسے آریا نسل کے لوگ خدا سمجھ کر پُوجتے رہے ہیں۔ یونان میں اُسے زی اس یا جو پیٹر نامی خُدا نے پہاڑ سے نیچے پھینک دیا تھا۔ داتا جی نے اُسے پھر زندہ کر کے دُنیائے اسلام میں پہنچا دیا ہے۔

گزشتہ صفحات میں آپ نے پڑھا ہے کہ مزدا اپنے مُلک سے بھاگا اور لاپتہ ہو گیا۔ اُس کی قوم نے جو تناسخ کی قائل تھی، باور کر لیا کہ وہ شیر یا بھیڑیے کی شکل میں واپس آکر جنگلوں اور پہاڑوں پر پھرتا رہتا ہے۔ ایک دن پھر انسانی

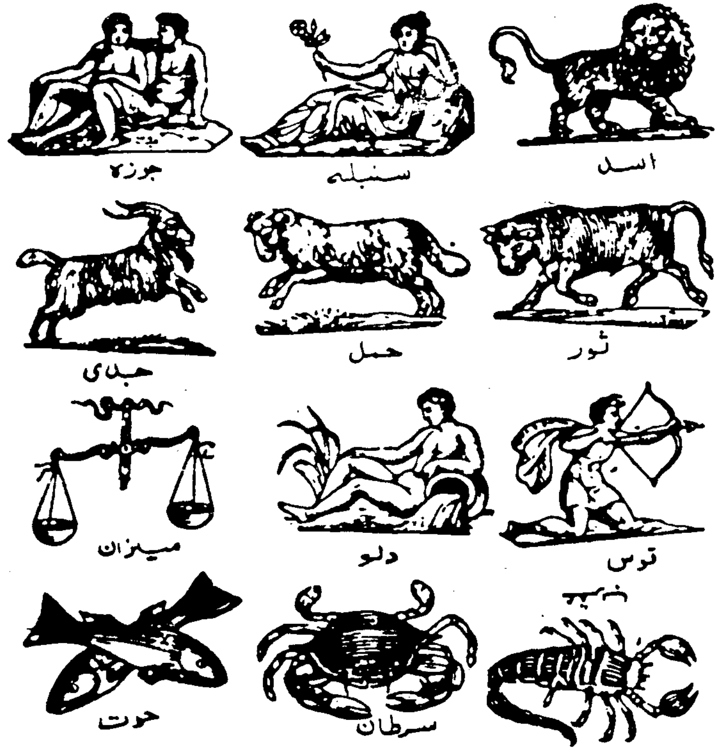
شکل میں آکر دُنیا پر حکومت کرے گا۔ اور امن وامان قائم کر دے گا۔ مسلمانوں میں یہی نمرود امام غائب۔ خواجہ خضر اور اویس قرنی کے ناموں سے گھسا ہوا ہے۔ اور اِن سب ناموں سے اِس کی فاتحہ ہوتی رہتی ہے۔ واضح رہے کہ داتا گنج بخش مسلمانوں کے بڑے ولی اللہ شمار ہوتے ہیں مگر شیعہ ان کو نہیں ملنتے۔ بخاری صاحب شیعہ ہوتے ہوئے اُن سے خلوص رکھتے ہیں حالانکہ فاتحہ پڑھنے نہ جائیں گے۔ مگر اُن کی کتاب سے گمراہی پھیلانے کا حق رکھتے ہیں۔

یہ کتاب علوم شرقیہ کے نصاب میں شامل ہے اور کئی سو سال سے پڑھائی جا رہی ہے۔ اِس کو پڑھنے والا قرآنی اِسلام کو کیسے برداشت کر سکتا ہے اِسی وجہ سے آپکا مولوی بزرگوں کو پُوجتا اور پُجواتا رہتا ہے۔

بارہ ستارے بارہ امام

اہلِ بابل نے اپنے بارہ مہینوں کے نام بارہ دیوی دیوتاؤں کے نام پر رکھتے تھے۔ جن کی اِنسانی اور حیوانی شکلیں آپ کی جنتری پر چھپتی ہیں اور وہ سب سورج کے گرد گھومتی دکھائی جاتی ہیں۔ یقیناً نظام شمسی کے بارے میں اہلِ بابل کی معلومات آج سے پانچ ہزار سال قبل بغیر رصد گاہوں اور دوربینوں کے نہایت مکمل اور جامع تھیں اور ساری دُنیا کے لئے کارآمد ثابت ہوئیں۔ چنانچہ مُسلمانوں نے بھی اُن سے فائدہ اُٹھایا اور علوم باطنی کی ضروریات کے تحت اِسی نظام کو اسلامی بنا لیا۔ اُنہوں نے بارہ دیوی دیوتاؤں کی جگہ اپنے بارہ امام فٹ کر دیئے۔ اِن میں اسد یعنی شیر ببر تو یقیناً ہمارے حیدر کرار صاحب کی نمائندگی کرتا ہے۔ البتہ سنبلہ اور زہرہ میں کیا لگاؤ ہے ہم حتمی طور پر نہیں بتا سکتے۔ گو دونوں تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں۔ اِسی طرح باقی اماموں کے بارے میں یہ طے کرنا کہ کون سا اِنسان یا حیوان کس کی نمائندگی کرتا ہے۔ قدرے دُشوار ہے۔ مگر بقول اقبال ؎

تاثیر غلامی سے خودی جس کی ہوئی نرم
اچھی نہیں اُس قوم کے حق میں عجمی لے۔



اِسلام نے اُنہی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے مُسلمانوں کو قمری کیلنڈر دیا تھا۔ جس میں ۳۵۴ دن ہوتے ہیں۔ تاکہ موسموں دنوں تاریخوں کی پُوجا ختم ہو جائے نہ سورج کو وہ اہمیت دی جائے جو اُسے مسجود و معبود خلائق بنائے ہوتے ہے نہ ستاروں پر اِنسانی تقدیروں کا انحصار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ سورج اور چاند کو نہ پُوجو وہ تمہارے خادم ہیں تم صرف میری عبادت کرو۔ قسمتوں کو بنانے اور بگاڑنے والا میں ہوں نہ کہ ستارے۔ مگر عجمی مجوسیوں نے اپنے علوم ان بارہ اماموں کی معرفت اِسلام میں شامل کر کے مُسلمانوں کو آلِ رسُولؐ اور اہلبیت رسُول کو پُوجنے پر لگا دیا۔ حالانکہ رسُول مقبولؐ کو اولادِ نرینہ نہ دینے کا اعلان خود قرآن نے کر دیا تھا۔ ما کان محمد ابا احد من رجالکم۔ تاکہ اُن

کی نسل یا اولاد کی پرستش نہ ہو۔

مگر دیکھئے اب اولادِ علی اولادِ رسولؐ بنی بیٹھی ہے کبھی یہ امام کہلاتے ہیں کبھی اولیاء۔ اِن کے ناموں کے آگے علیہ السّلام کا اضافہ اس بات کی توثیق کرتا ہے۔ کہ وہ رسولوں کے مرتبہ پر فائز تھے بلکہ حدیث شریف بنائی گئی ہے۔ الولایت افضل من النبوۃ یعنی ولی رسول سے افضل ہے۔ پس حضرت علی پہلے ولی ہیں اور اُن کے بعد آنے والے اولیا بھی رسولوں سے بہتر ہوئے (نعوذ باللہ)

کاش ہمارے اسلاف اتنا سوچتے کہ جب قرآن کے حکم کے مطابق علیہ السّلام کا خطاب صرف رسولوں کے لئے مخصوص ہے۔ موسیٰ علیہ السّلام، عیسیٰ علیہ السّلام کیونکہ اللہ نے اُن پر سلام بھیجا ہے۔ سلام علی المرسلین سلام علی ابراہیم وغیرہ تو یہ مزید بارہ علیہ السّلام آخری نبی کے بعد کہاں سے پیدا ہو گئے اور کیوں پیدا ہوئے جن کے نام بھیڑیا (جعفر) اور درندہ (باقر) رکھے گئے تھے۔

جب کہ صحابہ کرام خلفائے عظام اور اُمہات المومنین کے لئے رضی اللہ عنہ کا خطاب مقرر ہو چکا تھا۔ قرآن نے تبلایا رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔ پس کسی نے اِن کو بھی جو شیعہ اماموں سے بدرجہا بلند و بالا ہستیاں تھیں علیہ السّلام کہنے کی جسارت نہ کی۔

اسی طرح تابعین و مابعد کے بزرگوں کے لئے رحمتہ اللہ علیہ کہنے کی اجازت تھی مگر کشف المحجوب دیکھیے یا اولیاء کے حالات پڑھیئے تو معلوم ہوگا کہ بعض باطنی اولیا بھی علیہ السّلام تھے اور بعض رضی اللہ، مگر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔

مکتب و ملا سخنہا ساختند،
مومناں ایں نکتہ را نشناختند

(اقبال)

چوتھا باب

ہے مُریدوں کو تو حق بات گوارہ لیکن
شیخ و مُلّا کو بُری لگتی ہے درویش کی بات

عُلوم بابل و نینوا

تیوہار اور چھٹیاں معلوم کرنے کے لئے ایک بار زنجانی جنتری خریدی جس پر شیر گھوڑے اور بکری کے علاوہ کچھ مُردوں اور عورتوں کی تصویریں بھی تھیں جو سورج کے گرد گھومتی اور چکر کاٹتی دکھائی گئی تھیں۔ کتاب کے اندر شجرہ طیبہ دوازدہ امام، لوح مصطفائی کا اشتہار اور کلام الامام کے نمونے دیکھے تو معلوم ہوا کہ زنجانی صاحب باطنی بزرگ ہیں۔ نہ جانے میرے جیسے کتنے مُسلمان اُن کی جنتری اور آئینۂ قسمت پڑھ کر گمراہ ہوتے ہوں گے۔ آخری صفحہ پر آپ کی ایک کتاب مصباح الجفر پر شیعہ علّامہ حافظ کفایت حسین کا تبصر شائع ہوا تھا جس میں لکھا تھا۔

'علوم جفران علوم خفیہ میں سے ہے جو ہر شخص کو باوجود سعی بلیغ حاصل نہیں ہو سکتا۔ علم جفر وہ پاک و پاکیزہ علم ہے جسے حاصل کرنا بغیر افضال پروردگار عالم کے ناممکن ہے۔ ابن خلدون نے اس علم کا موجد جناب امام عالی مقام جعفر صادق علیہ السّلام کو تبلایا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ ان کا تسامح ہے اس علم کے موجد سیدنا امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب ہیں۔ اس کے بعض

قواعد امام جعفر صادق نے اپنے مخصوص شاگردوں کو تعلیم کئے۔ اِس عِلم کے واسطے علمِ نجوم کا جاننا بھی ضروری ہے۔"

چنانچہ مجھے بھی یہ مخفی عُلوم جو شیعوں کے پہلے یا چھٹے امام نے ایجاد کئے تھے، سیکھنے اور جاننے کا شوق ہوا۔ اور میں مذکورہ کتابیں یعنی مصباح الجفر اور مصباح الاعداد خرید لایا۔

عِلم الاعداد و جفر

مُوئف کتاب زنجانی صاحب نے دیباچے میں لکھا تھا۔ پرانے زمانے کے آریٰین، عبرانی، یونانی، مصری قوموں میں اِس عِلم کا بہت رواج تھا۔ جس طرح عِلم نجوم کا تعلق ستاروں سے ہے۔ عِلم الاعداد کا انحصار بھی سماوی اثرات پر ہے۔ عبرانیوں اور یونانیوں نے اِس عِلم کو خاص ترقی دی تھی۔ اِس کے بعد عربوں کی معارف نوازی نے اِس میں چار چاند لگا دیئے۔ صرف یہی نہیں کہ عربوں نے عِلم الاعداد کو فروغ دیکر جفر ایسے وسیع عِلم کی مستقل بنیاد ڈالی بلکہ اُنہوں نے اعداد سے مختلف علمی کام لئے (منجم اعظم)

شاید آپ اُن دُو شیعہ بزرگوں کے متضاد بیانات پر حیران ہوں کہ مُوئف کتاب تو کہتا ہے کہ یہ عِلم اہلِ بابل نے ایجاد کیا اور مصریوں یونانیوں اور آریوں سے ہوتا ہوا یہ عربوں کو ملا یعنی عجمی و باطنی بزرگوں کو جو خود کو مُسلمان، مومن اور عَرب بلکہ سیّد بتلاتے رہے ہیں۔

لیکن شیعہ مجتہد کفایت حسین صاحب کا انکشاف ہے کہ یہ آلِ ابوطالب کا عِلم ہے اور حضرت علی اِس کے موجد ہیں، بہرحال اِس کا فیصلہ تو یہ عِلم ہی کرسکتا ہے یا باطنی بھائی بتلا سکتے ہیں کہ آلِ نمرود اور آلِ ابی طالب میں کیا مناسبت ہے۔ بہرحال یہ عِلم دیکھیئے۔

عِلم الاعداد

یعنی ہندسوں اور عددوں کا عِلم۔ مُوئف کتاب لکھتے ہیں۔ بادشاہ نمرود کا درباری منجم تارخ بن ماحور بابل کے کوہ پیکر بُت بعل کا پرستار تھا۔ اِس کا نام تاریخ میں آذر بھی بتلایا گیا ہے یہ بابل

کے مرکزی بُت خانے میں مردک کا پیر مغان تھا (مہا پجاری) آذر، بُت تراشی کے فن میں بھی طاق تھا، اور عُلوم ہندسہ و ہیئت و نجُوم کا بھی بے بدل عالم تھا۔ وہ مُملکت کلدانیہ میں نمرُود کے بعد سب سے بڑی سیاسی دینی اور مجلسی حیثیت کا مالک تھا (نہ جانے کیوں مُوئف صاحب نے یہ بتانا مناسب نہ سمجھا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے وَالد بزرگوار بھی تھے)

اعداد کے خواص

بہرحال ہمیں تو یہ عِلم سیکھنا ہے رشتوں سے کیا بحث مُوئف صاحب بتلاتے ہیں کہ آذر نے نو ہندسوں کو اپنے دیوی دیوتاؤں کے نام سے منسُوب کیا تھا اور اِن کے خواص یعنی اثرات بھی بتلا دیئے تھے چنانچہ وہ نو اعداد حسب ذیل ہیں،

(۱) بعل۔ نور کا دیوتا۔
(۲) خرداب۔ بعل کی بیوی تخلیق کی دیوی۔
(۳) یعوق۔ جنگ کا دیوتا بعل کا بیٹا۔
(۴) اشطار۔ عِلم وفضل کی دیوی بعل کی بیٹی اور نمرُود کی ماں۔
(۵) برجیس۔ یہ دُولت سحر اور رُوحانیت کا دیوتا ہے بعل کا بیٹا ہے۔
(۶) عیشان۔ یہ حُسن کی دیوی ہے بعل کی چھوٹی بیٹی ہے۔
(۷) شومان۔ یہ نحوست کی دیوی ہے۔
(۸) ہریاق۔ یہ نحوست کا دیوتا ہے۔
(۹) نسر۔ یہ سمندر کی دیوی ہے۔

پھر اِن ناموں اور ہندسوں کے اثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثال کے طور پر یہاں صرف دُو ہندسوں کی تعریف نقل کی جاتی ہے۔

عدد۔ ۲:۔ اِس عدد کو بابل کی عظیم الشان دیوی خرداب سے منسُوب کیا گیا ہے۔ خرداب کو بعل کی ملکہ کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ مشہور تھا کہ خرداب نے کُل مخلوق کو جنم دیا ہے۔ لہٰذا عدد ۲ کی صفات تخلیق، ترتیب اور ترقی مقرر کی گئیں۔

عدد ۔۴:۔ یہ عدد اشطار یا اشتر سے تعلق رکھتا ہے جو بعل کی بیٹی تھی اور نمرود کی ماں ۔ جو علم و فضل میں بلند مرتبہ رکھتی تھی پس اس عدد سے علم ، مرتبہ بزرگی وغیرہ کی صفات منسوب ہیں ، پاکستان میں اشتری حضرات اسی دیوی سے نسبت جوڑتے ہیں ۔ کتاب مذکور میں اسی طرح باقی نو اعداد کی تفصیل درج ہے جو ہماری بحث سے خارج ہے ۔ ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ بابل کی دیوی دیوتاؤں کے نام کا علم حضرت علی اور امام جعفر نے کیسے ایجاد کیا ۔ کیا اُن کو اسلامی نام نہ مل سکتے تھے اپنی ہی نسل کے بارہ اماموں کے نام سے بھی یہ علم جاری ہو سکتا تھا تاہم مجتہد صاحب کہتے ہیں تو ہم یقین کئے لیتے ہیں کہ یہ بھی خدائی اہلِ بیت ہیں ۔ اور خدائی اہلبیت کے نام ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں ۔ جیسے میڈورا اور کیوپڈ سے عیسیٰ و مریم ہو گئے ۔ رام لچھمن سیتا سے حسن حسین فاطمہ بن گئے ۔ تاہم یہ باطنی علوم ہیں اُنہیں چھپانے کا حکم ہے ۔ یعنی دُوسروں کو نہ بتلایئے گا ۔ ورنہ اثر جاتا رہے گا ۔

حروف تہجی کے رموز علم اعداد کے بعد علم جفر پر روشنی ڈالتے ہوئے منجم صاحب فرماتے ہیں کہ علم جفر کی دو شاخیں ہیں ایک علم الاخبار ہے اور دُوسرا علم الآثار ۔

علم الاخبار :۔ اِس کا تعلق مستحصلات خفیہ و خبریہ (یعنی غیب کی باتوں سے ہے) اس کا عامل غیب کی باتیں معلوم کرتا ہے اور بتاتا ہے ۔

علم الاثار :۔ اِس کے ذریعہ قانون حرکت فی الفضا کے تحت ۔ دُعاؤں اوراد اور وظائف ، نقوش اور تعویزات کی مدد سے مطلوبہ نتائج مادی و رُوحانی طور پر حاصل کئے جاتے ہیں ۔ (مصباح الجفر)

اِس ثقیل عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جن بھُوت پری وغیرہ کو قابو میں لا کر تقدیر الٰہی یعنی اللہ کے حکم میں مداخلت کرنا اور اُس کی مرضی کو بدلنا ہو تو اس علم سے کام لیا جا سکتا ہے (نعوذ باللہ اور یہ علم حضرت علی کی ایجاد بتلایا جاتا ہے)

علم جفر حروف تہجی اب ج ، د کے ہیر پھیر اور اس کے اعداد نکالنے اور

اِس سے لوگوں کو دھوکے میں ڈالنے کا علم ہے ۔ اِس میں اعداد کی جگہ حروف ابجد کے رموز و اسرار سکھائے جاتے ہیں اور یہ بھی حضرت علی کے ایجاد کردہ ہیں چنانچہ نمونہ دیکھئے منجم صاحب فرماتے ہیں ۔

حرف "ک" کے اسرار و رموز واسطے زبان بندی دُشمناں و حاسداں کے جب برج جوزا ۲۰ درجے تک طلوع کرے تو کاغذ کو ورنگ پر چالیس بار حرف "ک" لکھ کر اور اس کو موم میں لپیٹ کر کسی بڑے پتھر کے نیچے دبا دے وہ مکان تاریک ہو جائے گا ۔

دُوسرا نسخہ :۔ اگر کوئی کہیں سے جان چھڑا کر بھاگنے کا ارادہ کرے تو بروز چہار شنبہ اوّل ساعت عطارد میں سو بار "ک" لکھے اور اپنے دائیں بازو پر باندھے اور سات سو دفعہ حرف کاف (ک) با موکل پڑھے ۔ اس طرح ۔ یا کاف بحق حرو دائیل ۔ اِس کے بعد دروازے سے باہر آنے کا قصد کرے انشاء اللہ العزیز اُسے کوئی پہچان نہ سکے گا ۔ جدھر چاہے چلا جائے ،،

مُسلمان بھائیو دیکھو کتنا کار آمد نسخہ تمہیں مُفت دے رہا ہوں ۔ تمہیں کسی سے چھُپ کر ملنا ہو اور اندھیرے کی ضرورت ہو کہ کوئی دیکھ نہ سکے تو پہلا نسخہ استعمال کرو اور کسی کے گھر میں جا کر دن دھاڑے ملنا ہو تو دُوسرا نسخہ حاضر ہے تمہیں کوئی نہ دیکھے گا ۔ دندناتے جاؤ اور معشوق سے سب کے سامنے مل کر واپس آجاؤ مگر یہ نہ بھولنا کہ اس علم کے موجد جناب امیر کیساتھ کیا پیش آیا جس پر کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

جو بانٹتے پھرتے ہیں حیات ابدی شادؔ
وہ لوگ بھی مر جاتے ہیں معلوم نہیں کیوں؟

شیعہ مجتہد صاحب اور علامہ خلدون اگر سچے ہیں تو یہ علم حضرت علی نے اپنے بیٹے حضرت حسین کو کیوں نہ بتلایا کہ وہ راتوں رات کربلا سے نکل بھاگتے اور حر ملعین جو ان کی راہ روک رہا تھا ، دیکھ نہ پاتا ۔

معلوم ہوا کہ یہ علم آل نمرود کا ہے ۔ اور حضرت علی کو محض میراث بابل

میں ملا ہے۔ یعنی جب مجوسیوں اور یہودیوں کے ہاتھوں خلافت قبول کرلی تو وہاں کی ساری میراث اُن کے قدموں میں ڈال دی۔ علوم و فنون بھی دیئے۔ خزانے اور اقتدار بھی سونپ دیا۔ اور سب کچھ بلا مانگے دیا۔ بلکہ زبردستی دیا۔ اور اُن کو خدا کے مقابلہ میں کھڑا کردیا۔

علمِ ہندسہ کے رموز

منجم اعظم صاحب کا یہ دعویٰ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کی معارف نوازی نے علم الاعداد میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ حالانکہ اہلِ بغداد کو عرب کہنا زیادتی ہے۔ کیونکہ یقیناً بنو عبّاس عرب سے آکر عجم میں آباد ہوئے اور عجمی بن گئے تھے جیسے ہم ہندوستان سے آکر کراچی میں مہاجر یا نئے سندھی کہلاتے ہیں، ہندوستانی نہیں رہے۔

پس عجمیوں نے علمِ ہندسہ کو بڑی ترقی دی جس سے علوم باطنی کے پھیلنے میں مدد ملی۔ علوم باطنی یعنی علمِ نجوم، رمل، جفر وغیرہ جب تک قدیم زبانوں میں رہے اُن کا سمجھنا آسان نہ تھا صرف کاہن منجم وغیرہ اِن کو سیکھتے پوشیدہ رکھتے اور فائدہ حاصل کرتے تھے۔ عربوں نے قدیم اعداد ترک کرکے جدید اعداد اختیار کئے تو یہ کام آسان اور عام فہم ہوگیا۔ پہلے عرب اپنے اعداد اِس طرح لکھتے تھے

مہ عصہ ے للعہ مہ لے معہ مے لعہ ع

اور ظاہر ہے کہ عربی رسم الخط کے لئے ایسے ہی اعداد موزوں تھے جو دائیں سے بائیں لکھے جاتے اور وہ عربوں کی محدود معیشت کے لئے کافی تھے۔ مگر حدودِ اسلام کی وسعت کے ساتھ خلافت عبّاسیہ کے دور میں جب معیشت میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔ اور دولت کا شمار دس بیسی سو بیسی سے بڑھ کر لاکھوں کروڑوں بلکہ اربوں میں لکھنے کی ضرورت ہوئی تو زیادہ آسان اور جامع اعداد کی تلاش ہوئی۔ روم، مصر، چین اور ہندوستان کے علوم عربی میں منتقل ہو چکے تھے سب کے اعداد سامنے رکھے گئے تو سب سے بہتر اعداد ہندوستان کے نکلے اور وہی اختیار کرلئے گئے۔ البتہ عربی رسم الخط کا لحاظ کرتے ہوئے تھوڑی سی

ردوبدل کرلی گئی۔ جیسے ९ کو "۱" بنا لیا گیا २ ३ کو ۲ ۳ کرلیا ४ کو ۴ بنالیا البتہ ५ کو ۵ بنانے میں خاصی ندرت دکھائی گئی ہے ६ سے ۶ بنایا۔ ७ کو ۷ کرلیا ح کو ۸ لکھنا کوئی خاص ترمیم نہیں۔ اب ذرا اِن مروجہ زبانوں کے اعداد دیکھ لیجئے جو اُن کے سامنے تھے جن میں سے ہندی اعداد پسند کئے گئے اور اِن کا نام ہندسہ رکھ کر اِن کا ہندی ماخذ بھی بتلا دیا گیا ہے۔

▼	▼▼	▼▼▼	▼▼▼▼	▼▼▼ ▼▼	▼▼▼ ▼▼▼	▼▼▼▼ ▼▼▼	▼▼▼▼ ▼▼▼▼	▼▼▼▼▼ ▼▼▼▼	≺	خطِ میخی
.	..	...	....	—	·—	··—	···—	····—	=	" مصری
一	二	三	四	五	六	七	八	九	十	" چینی
I	II	III	IIII	V	VI	VII	VIII	IX	X	" رومن
१	२	३	४	५	६	७	८	९	१०	" ہندی
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	" ہندسہ
1	2	3	4	5	6	7	8	9	10	عربک نگر

پھر بھی افسوس ہے کہ عجمیوں نے صفر کی اہمیت کو محسوس نہ کیا۔ اُسے ایک نقطہ سمجھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نقطوں کو گننا دشوار ہوگیا اور مسلمان اِن کو گننے سے گھبرانے لگے جہاں کوئی بڑی رقم آئی اُسے اتنے کہہ کر گزر گئے۔ اِسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمان حساب میں کچے سمجھے جاتے ہیں۔

یورپ نے عربوں سے علمِ ہندسہ سیکھا تو عربی ہندسہ کو اپنی ضرورت کے